سلازار کی واپسی

اکرم الہ آبادی

Salazar ki Wapsi Akram Allahabadi

جاسوسی دائرہ سیریز

سلازار کی واپسی

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

بغیر جسم کا دھڑکتا سینہ

''ی...ی...ی...خ۔'' تجربہ گاہ کے محافظ کی ایک لمبی دہشت زدہ چیخ دور تک سنائی دی اور گورنمنٹ میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے وہ آٹھوں ڈاکٹر تجربہ گاہ کی طرف دوڑ پڑے جو آج سویرے سے پولیس ہیڈ کوارٹرز کی طرف سے خصوصی درخواست کے ساتھ بھیجے گئے ایک عجیب وغریب بے گوشت وپوست کی لاش (ڈھانچے) کے ٹکڑوں میں ابدیت کے سائنسی اثرات کی تحقیق کر رہے تھے۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ اس کام سے تھک کر ریسٹ روم میں گئے تھے۔ سویرے سے ایک انسانی ڈھانچے کے علیحدہ سینے کے حصے (چیسٹ کیس) کے مطالعے میں مصروف تھے۔

واپس کمرے میں گھستے ہی ان کی نظر سب سے پہلے تجربہ گاہ کے چوکیدار پر پڑی۔ وہ آپریشن ٹیبل کے نزدیک ہی بے ہوش پڑا تھا، لیکن میز پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ میز پر پسلیوں کی ہڈیوں سمیت ایک انسان کا صرف سینہ رکھا تھا۔ پسلیوں کے اوپر بہت باریک سی ایک جھلی تھی جسے ابھی چند گھنٹے قبل ہی ڈاکٹروں نے چیر دیا تھا اور اس کے اندر کے حصے میں دل، پھیپھڑے، جگر اور دل کے گرد لپٹی ہوئی چند نسیں جھانک رہی تھیں، مگر اس وقت تو ان کے حواس یہ دیکھ کر بجا نہ رہے کہ صرف انسانی سینے کا وہ ٹکڑا میز پر رکھا تھرک رہا تھا۔ اس کے اندر اچانک حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ دیر اسی طرح اس سے دور کھڑے دیکھتے رہنے کے بعد انسٹی ٹیوٹ کے بورڈ آف ڈائرکٹر کا ممبر ڈاکٹر نارمن میز کے نزدیک آ گیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے بھی جرائت سے کام لیتے ہوئے میز کے اردگرد جمع ہو گئے اور قریب سے اس دھڑکتے ہوئے سینے کے ٹکڑے کو دیکھنے لگے۔

''یہ معجزہ ہے یا جادو۔''ڈاکٹر محسن نے سنجیدگی سے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''خدا نے جانے، آج کی دنیا میں کیا کیا عجیب باتیں ہونے لگیں ہیں۔'' ڈاکٹر پانڈے نے بھی حیرت کا اظہار کیا۔

''تمام جسمانی اعضا سے غیر منسلک صرف ایک سینے کے حصے میں یہ حرکت اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ اس کی لاش قطب مینار جیسی بلندی سے گری تھی، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''ڈاکٹر نارمن بھی جواب تک سنجیدگی سے گھور رہا تھا، اسی حیرت کے ساتھ تبصرہ کرنے لگا۔

''وہ دیکھو، اندر دل بھی دھڑک رہا ہے۔''تیسرے ڈاکٹر واگھے نے کہا۔

''اور پھیپھڑے بھی تو سانس لے رہے ہیں۔''ڈاکٹر ہریش بولا۔

''اب کیا کیا جائے اس کا؟''ڈاکٹر محسن نے ڈاکٹر نارمن سے سوال کیا۔

''میرے خیال میں ہمیں اس کے پرسکون ہونے تک انتظار کرنا چاہیے۔یہ دیکھا جائے کہ اس میں دھڑکن کے سوا اور کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں۔''ڈاکٹر نارمن نے مشورہ دیا۔

''خیال تو ٹھیک ہے، میں تائید کرتا ہوں۔''ڈاکٹر واگھے بولا۔

''تو پھر آیئے، کرسیوں پر بیٹھ کر اس کا تماشا دیکھیں۔''نارمن یہ کہتے ہوئے پلٹ پڑا۔

''کہیں اچھل کر میز سے گر نہ جائے۔''ڈاکٹر محسن نے کہا۔

''دھڑکن اتنی تیز تو نہیں ہے اور پھر ہم دیکھتے جو رہیں گے۔''ڈاکٹر نارمن نے جواب دیا۔اور وہ پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے تجربہ گاہ کی ان کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئے جو کیمیکل ٹیسٹ کی بڑی میز کے ساتھ لگی رکھی تھیں۔

''کیا پولیس کو خبر کرنی چاہیے اس بات کی؟''ڈاکٹر واگھے نے پوچھا۔

''ابھی مناسب نہیں، ہماری تحقیق جو نامکمل ہے۔آخر سائنٹیفک نقطۂ نظر سے ہم اس حیرت ناک واقع کی تشریح کیا کریں گے؟''ڈاکٹر نارمن نے واگھے کی تردید کی۔

''ٹھیک ہے، میرا بھی یہی خیال ہے۔'' ڈاکٹر پانڈے نے تائید کی۔ اور سب خاموش ہو کر غور سے اس دھڑکتے سینے کے ارتعاش کو دیکھنے لگے۔

دیوار گیر کلاک کی چھوٹی سوئی ڈھائی سے ہوتی ہوئی ۶ تک پہنچ گئی، لیکن اس انسانی سینے کے اس ٹکڑے کی حرکت میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ اب تک اس کی اضافی حرکت یا پھر خاموشی کا انتظار کر رہے تھے۔

''آخر ہم کب تک یوں بیٹھے رہیں گے؟'' ڈاکٹر واگھے تھک کر بولا۔ ''کم از کم میں تو اجازت چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھنے لگا۔

''تجربہ گاہ کے اسسٹنٹ مسٹر سیٹھی اور مسٹر ارشد کی ڈیوٹی لگا دی جائے اس پر۔ وہ رات بھر اس کی نگرانی کریں گے اور اگر کوئی نئی بات ہوئی تو ہمیں فون سے فوراً اطلاع کر دیں گے۔'' ڈاکٹر نارمن نے تجویز پیش کی۔

''میں بھی یہی کہنے والا تھا۔'' ڈاکٹر پانڈے نے کہا۔

چنانچہ اس تجویز پر سب کے اتفاق سے مسٹر سیٹھی اور مسٹر ارشد کو بلوا کر ان کے سر اس بغیر جسم کے دھڑکتے سینے کی نگرانی کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ پہلے تو وہ دونوں ایسی عجیب و غریب صورتِ حال سے دہشت زدہ ہو گئے تھے، لیکن ڈاکٹروں کے ساتھ کچھ دیر رہنے کے بعد ان کی یہ جھجک دور ہو گئی۔ انھیں بتایا گیا کہ سینے کا یہ بغیر اعضا کا ٹکڑا صرف آپ سے آپ حرکت میں آ گیا ہے، لیکن اس کی یہ حرکت ایک ہی رفتار پر قائم ہے، البتہ اگر کوئی نئی بات ہو تو وہ فون پر ڈاکٹر نارمن، ڈاکٹر محسن اور ڈاکٹر پانڈے کو فوراً خبر کر دیں۔

مسٹر سیٹھی اور ریسرچ اسسٹنٹ مسٹر ارشد نے چارج سنبھال لیا اور بورڈ کے ڈاکٹر اپنی کاروں میں اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

بغیر جسم کے سینے کا یہ حصہ جو عجیب حالات میں یا معجزاتی طور پر آپ سے آپ زندہ ہو کر دھڑکنے لگا تھا، ڈاکٹر سلازار کے جسم سے تعلق رکھتا تھا۔ قطب مینار جیسی بلندی سے نیچے

گرنے پر ڈاکٹر سلازار کے اعضا کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے اور پولیس نے ان منتشر اعضا کو یکجا کر کے ڈاکٹر سلازار کی عجیب وغریب جسمانی حیثیت کے متعلق تحقیق کرنے کے لیے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ ایک جیتا جاگتا صرف ہڈیوں کا ایک ایسا ڈھانچہ تھا جس کے سینے کے حصے پر صرف ایک باریک جھلی سی رہتی تھی اور اس کے اندر شاید اس کی زندگی۔ قطب مینار سے نیچے گرنے پر اس کے تمام اعضا ٹوٹ کر الگ الگ جا پڑے تھے۔ صرف ایک سینے کا کیس اور سر سلامت رہ گیا تھا۔

ڈاکٹر سلازار اپنے وقت کی سب سے عجیب وغریب اور تہلکہ خیز شخصیت گزری تھی۔ کبھی وہ گوا کا ایک نوجوان اور خوبصورت پرتگیزی سائنس داں تھا اور اپنی خوبصورتی اور جوانی کو ابدیت دینے کے لیے اس نے ایک عجیب اور خطرناک سائنسی فارمولے کی تحقیق وتجربے میں کئی سال گزارنے کے بعد جب ایک دن اس کا تجربہ اپنے اوپر کیا تو اسے واقعی ابدیت مل گئی، مگر جس جوانی اور خوبصورتی کے لیے اس نے موت پر فتح حاصل کی تھی، وہ اس سے چھن گئی۔ کئی سالوں کے تجربے کے نچوڑ سے تیار ہونے والے سیال مادے کا پہلا ہی ڈوز جب اس نے لیا تو خلاف توقع اندرونی نظام میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کے بدن کا سارا گوشت اسی وقت گل گل کر ٹپک گیا تھا اور وہ ایک زندہ مردے کا ڈھانچہ بن گیا تھا۔ اس کی ہیئت اس قدر خوفناک ہو گئی تھی کہ اسے اس کے اصلی روپ میں ایک بار دیکھ لینے والا خوف سے بے ہوش ہوئے بنا نہ رہتا۔ تجربے کے اس عجیب ردِعمل نے ڈاکٹر سلازار کو نیم پاگل سا کر دیا۔ وہی بے شمار لڑکیاں جو کبھی اس کی خوبصورتی اور وجاہت پر جان چھڑکتی تھیں، آج اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتی تھیں۔ اس احساس نے اس میں دہشت پسندانہ انتقام کا تصور پیدا کر دیا اور اس نے بمبئی کے محکمہ سراغ رسانی کے ذخیرہ گاہ سے اسکاٹ لینڈ یارڈ سے آیا ہوا ایک بڑا نفیس اور مکمل میک اپ بکس غائب کر کے اس کی مدد سے بارعب اور پرکشش شخصیتوں کا میک اپ کر کے ہر خوبصورت لڑکی یا عورت کو اپنی طرف متوجہ کر کے یا تنہائی میں لے جا کر ہلاک کرنا شروع

کردیا۔

ایک عجیب وغریب اور پراسرار شخصیت کا خاتمہ کرنے کے لیے خاص طور پر حکومت نے صوبے بمبئی کے محکمہ سراغ رسانی کے سب سے مشہور سراغ رساں سپرنٹنڈنٹ خان کو مقرر کردیا تھا اور خان بالآخر سلازار کو گھیر کر قطب مینار پر چڑھا لے گیا، جہاں سے اوپر خان کے ساتھ آخری لڑائی میں سلازار مینار سے نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کی وجہ سے ہلاک ہوگیا تھا۔ پولیس اس کے جسم کے اعضا سمیٹ کر احتیاط سے لے گئی تھی، لیکن بعد میں اس میں ابدیت کے سائنسی آثار کی تحقیق کے لیے اس کے بعض خاص حصے، مثلاً سینہ اور سر وغیرہ کو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے حوالے کردیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

سلازار کی ہڈیاں جن پر صرف چند موٹی نسیں چپکی ہوئی ملی تھیں، پولیس ہیڈ کوارٹرز کے ایک خاص کمرے میں رکھی گئی تھیں۔ سلازار کا سر انسٹی ٹیوٹ کے برین اسکیلیٹن ریسرچ کے شعبے کے زیرِ تحقیق تھا اور اس وقت وہ اس روم سے ملے ہوئے دوسرے کمرے کے ایک شیشے کے کیس میں رکھا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

محافظ اندھے ہو گئے

ابھی صبح کے ۹ ہی بجے تھے۔ پولیس ہیڈ کوارٹرز کے دفاتر ابھی کھولے ہی جا رہے تھے کہ ایکس چینج پر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا کال آ پہنچا۔

''سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خاں، پلیز۔'' ادھر سے آواز سنائی دی۔

''او کے۔'' ایکس چینج آپریٹر نے کہتے ہوئے فون کو سی آئی ڈی برانچ کی شاخ جرائم کے سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خاں کے نمبر سے کنیکٹ کر دیا۔

سپرنٹنڈنٹ خان ابھی صبح کا ناشتا کر کے ہی بیٹھا اخبار دیکھ رہے تھے کہ فون آ پہنچا۔

''صاحب، آپ کا فون ہے۔'' اردلی نے سامنے آ کر کہا۔ اور خان صوفے سے اٹھ کر برآمدے میں آ گئے، جہاں دیوار گیری کے ساتھ ایک لکڑی کے خوب صورت اسٹینڈ پر فون رکھا ہوا تھا۔

''ہیلو۔'' خان نے رسیور سنبھالتے ہوئے کہا۔

''میں ڈاکٹر نارمن بول رہا ہوں۔ ایک عجیب بات ہو گئی ہے۔ بہتر ہو گا کہ آپ فوراً یہیں تشریف لے آئیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''آخر کچھ بتایئے بھی؟'' خان نے استفسار کیا۔

''وہ سلازار کا سینے کا حصہ کل آپ سے آپ متحرک ہو گیا تھا اور آج صبح وہ ریسرچ روم سے غائب ہو گیا۔''

''غائب ہو گیا؟ متحرک ہو گیا تھا؟'' خان نے چونک کر دہرایا۔

''جی ہاں۔ یہیں آ کر سب کچھ سمجھ سکیں گے آپ۔'' ڈاکٹر نارمن نے ادھر سے جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''اچھا، میں آرہا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان نے رسیور رکھ دیا۔ اندر ڈریسنگ روم میں اس نے اپنا کوٹ بے خیالی سے ہیٹ اسٹینڈ میں ہی ٹانگ دیا تھا، وہ اسے کندھوں پر ڈال کر نوکر کو کچھ ضروری ہدایتیں دیتا ہوا باہر نکل آیا۔ اس کی لمبی سیاہ فورڈ گاڑی برآمدے کے پاس ہی کھڑی تھی۔ آج سردی کافی تھی۔ سمندری ہوائیں بھی اس قدر خنک ہو رہی تھیں کہ گرم کپڑے پہن کر باہر نکلنے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ اس وقت خان نے ہاتھوں پر اون کے پتلی بنائی والے دستانے بھی چڑھا لیے تھے۔ وہ کار اسٹارٹ ہی کر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ کوئی کار میں پچھلی سیٹ پر پہلے سے موجود تھا۔

''ہینڈز اپ، پلیز۔'' اس کی آواز سنائی دی۔

خان نے آواز کے ساتھ دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''جتنے پیسے جیب میں ہوں رکھ دیجیے، میں نے آج صبح سے سگریٹ نہیں پیا ہے۔'' پیچھے سے دوبارہ آواز آئی۔

''مردود۔'' خان یہ کہہ کر گھوما ہی تھا کہ بالے نے سر نیچا جھکا لیا، ورنہ خان کا گھونسا اس کی کنپٹی کی خبر لے ڈالتا۔

''ارے ارے، آپ تو باکسنگ دکھانے لگے۔ میں تو سگریٹ کے پیسے مانگ رہا تھا۔'' سارجنٹ بالے نے بچوں کی طرح منہ لٹکا کر کہا۔

''شکر ہے تم نے روکر 'لوٹی' نہیں مانگی، الو، تم جامے سے باہر ہونے لگے ہو۔''

''جناب عالی، میں خالص مغرب زدہ شریف آدمی ہوں، میں جامے پاجامے سے شوق نہیں فرماتا۔''

''بکو مت، بیٹھنا ہے تو چپ بیٹھو۔'' خان نے یہ کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی اور کار خان کے بنگلے کے نیچے سے گزر کر سڑک پر نکل آئی۔

''لیکن آپ صبح صبح جا کہاں رہے ہیں؟''

Akram Allahabadi

''ڈاکٹر سلازار لوٹ آیا ہے، اس سے ملنے۔''

''ڈاک...ٹر...سلا...زار...!'' بالے حیرت سے اچھل پڑا۔

''ارے واہ، مجھے کوئی دودھ پیتا بچہ سمجھا ہے آپ نے جو بن جاؤں گا اس طرح۔ اس مردے آدمی کے تو قطب مینار سے گر کر بہتر ٹکڑے ہو چکے ہیں، ہونہہ۔'' بالے نے اپنی دانست میں اسے خان کا جھوٹ سمجھ کر یا مزاح سمجھ کر بڑی شان سے اینٹھ اینٹھ کر جواب دیا۔

''چل تو رہے ہو، بیٹے، دیکھ لو گے۔'' خان نصف مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''تو کیا واقعی؟ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کا تو جوڑ جوڑ ٹوٹ گیا تھا، پھر وہ کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟'' بالے بڑبڑانے لگا۔

''وہ زندہ نہیں ہوا، میرے لاڈلے احمق، بل کہ اس کا وہ چیسٹ کیس غائب ہو گیا، جو ہم نے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے حوالے کیا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''چیسٹ کیس؟ مگر اسے غائب کرنے سے فائدہ؟'' بالے نے پوچھا۔

''غائب کرنے والے تم سے بہتر جانتے ہوں گے۔'' خان نے مختصر سا جواب دیا۔

''عجیب بات ہے۔'' بالے نے یہ کہہ کر گردن ٹیڑھی کر لی اور خان اپنی دھن میں کھویا ہوا کار ڈرائیو کرتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

انسٹی ٹیوٹ کے دروازے پر کار کے رکتے ہی برآمدے میں کھڑے ہوئے تین ڈاکٹر کار کی طرف دوڑ پڑے۔

''آیئے، مسٹر خان۔'' ڈاکٹر محسن نے ہاتھ بڑھا دیا۔ خان کار سے اتر کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ بالے کو کسی نے نہیں پوچھا، اس لیے وہ چہرے پر کسی قدر خشک تاثرات لیے آہستہ آہستہ ان کے پیچھے چلنے لگا۔

''ڈاکٹر نارمن کہاں ہیں؟'' خان نے ڈاکٹر محسن سے سوال کیا۔

''وہ ریسرچ روم میں موجود ہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

ریسرچ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔باہر دو تین آدمی کھڑے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ اندر داخل ہونے پر خان نے دیکھا، ڈاکٹر نارمن دروازے کی طرف پشت کیے ایک کرسی پر بیٹھا سگریٹ کے دھویں کے مرغولے چھوڑ رہا ہے۔وہ ان کے قدموں کی چاپ سنتے ہی چونک کر گھوم پڑا۔

''آپ آ گئے؟'' وہ خان کے قریب آتے ہوئے بولا۔

''یہ دیکھئے۔'' خان سے ہاتھ ملا کر اس نے ایک طرف دو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لیبارٹری اسسٹنٹ مسٹر سیٹھی اور دوسرے اسسٹنٹ مسٹر ارشد کی طرف اشارہ کیا۔وہ دونوں دوسری دو کرسیوں پر بت بنے بیٹھے تھے۔

''انھیں کیا ہوا ہے؟'' خان نے دریافت کیا۔

''گزشتہ شام ہم لوگ سلازار کا دھڑکتا ہوا چیسٹ کیس ان کے چارج میں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور یہ رات بھر اس کی نگرانی کرتے رہے، لیکن صبح جب میں یہاں پہنچا تو ریسرچ روم سے سلازار کا چیسٹ کیس اور پاس والے اسکیلیٹن ریڈنگ روم سے سلازار کا سر غائب تھا اور یہ دونوں میز سے کچھ دور بے ہوش پڑے تھے۔'' ڈاکٹر نارمن نے بتایا۔

''لیکن اب تو یہ ہوش میں ہیں؟'' سپرنٹنڈنٹ خان نے پوچھا۔

''یہ اندھے ہو گئے ہیں، انھیں کچھ نہیں نظر آتا۔'' ڈاکٹر نارمن نے جواب دیا۔

''اندھے؟'' بالے چونک پڑا۔

''ہاں، ڈاکٹر، خدا کے لیے ہماری بینائی واپس دلائیے۔'' ان میں سے ایک گڑگڑا کر بولا۔

''لیکن یہ ہوا کیسے؟'' خان نے ان کی طرف رخ کر کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔

''رات ہم لوگ دو بجے تک ریسرچ روم میں بیٹھے سلازار کے دھڑکتے سینے کے ٹکڑے کی نگرانی کر رہے تھے۔ دروازے کے باہر انسٹی ٹیوٹ کا ایک رات ڈیوٹی کا اردلی موجود تھا اور عمارت کے باہر چوکیدار گشت کر رہے تھے۔ ٹھیک دو بج کر ۱۰ منٹ پر دروازے پر اچانک دستک ہوئی۔ مسٹر سیٹھی نے کہا، شاید اردلی ہے، چائے کا تھرماس لایا ہوگا۔ پھر بھی محتاط ہم دونوں ہی اٹھ کر دروازے تک آئے، مگر جیسے ہی ہم نے دروازہ کھولا، ہمیں صرف اتنا یاد ہے کہ ایک سیاہ سا سایہ ہمارے سامنے کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں نارنج جیسی کوئی شے تھے۔ ہمارے سامنے ہوتے ہی اس شے سے ایک تمتماتی ہوئی بہت تیز روشنی نکل کر ہماری آنکھوں پر باری باری پڑی اور ایک لمحے کے لیے ہماری آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوگئی، لیکن فوراً ہی ہمیں چکر آنے لگے۔ ہمیں صرف اس قدر یاد ہے کہ وہ سیاہ سایہ ہمیں دھکیلتا ہوا تیزی سے اندر میز کی طرف آیا تو ہم نے اس نیم بے ہوشی کی کیفیت میں بھی اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی، لیکن میز کے نزدیک آتے ہی آتے ہم گر پڑے۔ اس کے بعد ہماری آنکھ کھلی تو ڈاکٹر نارمن اور چند دوسرے ڈاکٹروں کی آوازیں ہمارے کانوں میں گونجنے لگیں، مگر ہماری آنکھوں میں اندھیرا تھا۔ ہمیں محسوس ہوا کہ ہم اپنی بینائی کھو چکے ہیں۔'' اتنا کہہ کر ارشد نے اپنا بیان ختم کر دیا۔

سپرنٹنڈنٹ خان نے جیب سے ماچس نکال کر ایک سلائی روشن کرتے ہوئے ان کے سامنے کر لی، لیکن ان کی پلک تک نہ جھپکی۔ پھر وہ غور سے ان کی آنکھوں کو دیکھنے لگے۔ وہ کھلی ہوئی تھیں، مگر ان کے دیدوں اور پتلیوں کی بصارتی چمک مفقود ہو چکی تھی۔

''واقعی ان کی بینائی زائل ہو چکی ہے۔'' خان نے تصدیق کر دی۔

''بڑا افسوس ناک واقعہ ہے۔'' ڈاکٹر نارمن نے لہجے میں اداسی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن سلازار کے دھڑکتے ہوئے چیسٹ کیس کا گم ہونا بھی کچھ کم اہم واقعہ نہیں ہے، ڈاکٹر۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی نیا اندھیر مچے گا یا خدا جانے...'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''کیا؟'' ڈاکٹر نارمن نے پوچھنا چاہا۔

''کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ ہاں یہ بتایئے آپ کس وقت یہاں آئے تھے؟'' سپرنٹنڈنٹ خان نے پوچھا۔

''میرے خیال میں ۹ بجنے میں اس وقت کچھ منٹ باقی تھے۔'' ڈاکٹر نارمن نے جواب دیا۔

''کون کون تھا آپ کے ساتھ؟''

''اس وقت میں اکیلا تھا۔ رات بھر مسٹر ارشد یا سیٹھی صاحب کی طرف سے مجھے کوئی رپورٹ نہیں ملی تھی، اس لیے مجھے ایک فکر سی لگی تھی۔ میں سویرے ہی گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔'' ڈاکٹر نارمن نے بتایا۔

''آپ جب آئے تو باہر کا داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا یا بند؟'' خان نے سوال کیا۔

''وہ باہر سے بند تھا۔'' ڈاکٹر نارمن نے جواب دیا۔

''اور ریسرچ روم کا دروازہ؟'' خان نے پھر پوچھا۔

''یہ بھی بند تھا، شاید۔'' ڈاکٹر ذرا سی ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔

''شاید؟'' خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''ہاں۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آ رہا ہے، یا شاید کھلا ہی تھا۔'' ڈاکٹر ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔

''کیا آپ نے انسٹی ٹیوٹ کے چوکیداروں سے اس کے لیے پوچھا تھا۔''

''جی نہیں۔ میں مسٹر ارشد اور سیٹھی صاحب کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا سا گیا تھا۔ اس کے علاوہ سلازار کے چیسٹ کیس کی گمشدگی نے مجھے مجبور کیا کہ میں سب سے پہلے آپ کو ہی اطلاع دے دوں۔''

''مجبور کیا؟'' خان نے اس کے الفاظ پکڑتے ہوئے مسکرا کر سوال کیا۔

Akram Allahabadi

''میرا مطلب ہے کہ مجھے اس وقت یہی سوجھا۔''

''لیکن دروازہ باہر سے کیسے بند تھا، جب کہ چوکیداروں کو یہ ضرور معلوم رہا ہوگا کہ مسٹر ارشد اور مسٹر سیٹھی اندر موجود ہیں۔'' خان نے چبھتا ہوا سا سوال کیا۔ جس پر ڈاکٹر نارمن گھبرا سا گیا۔

''میں نے مصلحتاً احتیاطی اقدام کے طور پر خود اسے ہدایت کر دی تھی کہ وہ داخلی دروازے کو بند رکھے۔'' ڈاکٹر نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔

''ریسرچ روم کا دروازہ اندر سے بند تھا یا باہر سے؟''

''باہر سے۔'' ڈاکٹر نے اٹک کر جواب دیا۔

''لیکن آپ کو تو ٹھیک سے یاد نہ تھا؟'' خان نے سوال کیا۔

''میرا مطلب اسی شاید کے ساتھ۔'' ڈاکٹر نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''آپ نے ڈاکٹر محسن اور دوسرے ساتھیوں کو کب خبر کی؟''

''پولیس کو فون کرنے کے بعد۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''کیا چوکیداروں کو رات کے وقت کوئی سایہ یا شخصیت عمارت کے آس پاس کہیں دکھائی دی تھی؟'' خان نے پھر پوچھا۔

''میں ان لوگوں سے پوچھ چکا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے چڑیا کا بچہ بھی نہیں دیکھا رات کو۔'' ڈاکٹر نے خود ہی چوکیداروں کے بیان کو دہرا دیا۔

اس پر سپرنٹنڈنٹ خان سر ہلا کر خاموش ہو گیا اور غور سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ میز کے کناروں پر خفیف سے انگلیوں کے نشانات ملے جن پر ایکسپوزر ڈال کر ان کے فوٹو لے لیے گئے۔ فرش وغیرہ کا بھی جائزہ لیا، لیکن کوئی کارآمد چیز نہ ملی۔ اس کے بعد وہ اس کمرے سے دوسرے ملحقہ کمرے اسکیلیٹن ریڈنگ روم میں چلا گیا۔ وہاں ایک شیشے کے کیس کا دروازہ صرف بھڑا ہوا تھا اور ڈاکٹر کے بیان کے مطابق سلازار کا سر اس میں رکھا گیا تھا۔ شیشے کے

دوسرے کیسوں میں بہت سی انسانی کھوپڑیاں رکھی تھیں، جن کے بالمقابل شیشے پر علیٰحدہ علیٰحدہ تحریری لیبل لگے ہوئے تھے۔اس کمرے کے دروازے خان کو اندر سے بند ملے، سوائے اس دروازے کے جو ریسرچ روم میں کھلتا تھا۔اس معائنے کے بعد وہ پھر ارشد اور سیٹھی کی طرف متوجہ ہوا۔

''آپ کے خیال میں ایسی وہ کون سی روشنی ہوسکتی ہے جو آنکھوں کی بینائی زائل کردے؟'' خان نے ڈاکٹر نارمن ہی سے سوال کیا۔

''روشنی؟'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔''میری رائے میں تو صرف ریڈیم ہی ایسی چیز ہے جس کو اندھیرے میں گھورتے رہنے سے بینائی زائل ہوسکتی ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''لیکن اتنی جلدی تو ناممکن ہے۔'' وہ پھر بولا۔

''ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی ترقی یافتہ شکل ہو؟'' خان نے رائے زنی کی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔'' ڈاکٹر نے اس کی رائے زنی سے اتفاق نہ کرتے ہوئے کہا۔

''خیر، لیکن کیا ان کا علاج ممکن نہیں؟'' خان نے پوچھا۔

''دیدوں اور پتلیوں کی بصارتی چمک زائل ہوجانے کے بعد تو ممکن نہیں۔'' ڈاکٹر نارمن نے بتایا۔

''آپ کا کیا خیال ہے، ڈاکٹر محسن؟'' سپرنٹنڈنٹ خان نے ڈاکٹر محسن سے بھی رائے طلب کی۔

''میں اس سلسلے میں کچھ نہ کہوں گا، کیوں کہ بصارت کو ختم کرنے والے سائنسی اثرات کے بارے میں مجھے زیادہ علم نہیں۔'' ڈاکٹر محسن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آپ کی کیا رائے ہے، ڈاکٹر پانڈے؟'' وہ تیسری طرف گھوما۔

''میں بھی تقریباً وہی کہوں گا جو ڈاکٹر محسن نے کہا ہے۔'' ڈاکٹر پانڈے نے جواب

دیا۔باقی ڈاکٹر بھی خاموش تھے،اس لیے خان نے مزید سوالات نہ کیے۔

''کیا ہماری بینائی کبھی نہ لوٹے گی، ڈاکٹر نارمن؟''مسٹر سیٹھی نے مایوس لہجے میں ڈاکٹر نارمن سے سوال کیا۔

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔اس کے لیے پوری کوشش کی جائے گی۔''ڈاکٹر نے انھیں جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا۔لیکن وہ سرد آہیں بھر کے رہ گئے۔

خان اپنا تمام کام تقریباً مکمل کر چکا تھا۔اس وقت اس سے زیادہ حالات کا مطالعہ ممکن نہ تھا،اس لئے وہ ڈاکٹر نارمن،چوکیدار اور مسٹر سیٹھی اور مسٹر ارشد کے علاوہ باقی ڈاکٹروں کے بھی مختصر بیانات لے کر ان سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا۔بالے اس تمام تر وقت میں خاموش رہا تھا۔برآمدے میں نیچا اترتے ہی اس کی زبان کھل گئی۔

''آپ شاید مجھے اپنا اردلی سمجھتے ہیں؟''اس نے جلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ تمہارا احساس کمتری ہے۔واقعی بڑی خاکسار طبیعت پائی ہے تم نے۔''خان مسکرا کر بولا۔

''لعنت ہے اس سور پر جواب آپ کی خدمت میں ایک الو کی طرح صرف آنکھیں کھولے حاضر رہے۔''بالے نے اپنے آپ کو دو تین موٹی مہذب گالیاں دیں۔

''تم بیک وقت الو اور سور کیسے ہو سکتے ہو؟ کیا کوئی نئی تکنیک نکالی ہے؟''خان نے کار میں بیٹھتے ہوئے سوال کیا اور پھر کار اسٹارٹ کر دی۔

''یہ سب آپ کی صحبتِ نیک کا اثر ہے۔''بالے نے یہ کہہ کر روتے ہوئے انداز میں منہ پھیر لیا۔

''ارے ہاں۔''خان کچھ یاد کر کے چونک پڑا۔اسے نہ جانے کیا خیال آگیا، جو اپنی کار کے ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے وائرلیس کمیونیکیشن سیٹ کا سوئچ آن کر دیا اور پاس والے ایک خانے میں رکھا ہوا ماؤتھ پیس ایک ہاتھ سے اٹھا کر منہ کے پاس لگا لیا اور دوسرے

ہاتھ سے وہ کار کا اسٹیرنگ سنبھالے تھا۔

''ہیلو، پولیس ہیڈ کوارٹرز۔ پولیس ہیڈ کوارٹرز، ہیلو۔''

''پولیس ہیڈ کوارٹرز، اسپیشل میسیج برانچ، ہیلو، پولیس ہیڈ کوارٹرز اسپیکنگ۔'' ڈیش بورڈ سے مدھم آواز سنائی دی۔

''ہیلو، خان ہیئر، گارڈڈ پراپرٹی روم پر فوراً سخت پہرا لگا دو۔ میسیج فار انسپکٹر راجندر۔ گارڈڈ پراپرٹی روم پر سخت پہرا۔'' خان نے اپنی ہدایت دہرائیں۔

''میسیج رسیوڈ، او کے، سر۔'' ڈیش بورڈ سے پھر آواز سنائی دی اور خان نے سوئچ آف کر کے ماؤتھ پیس رکھ دیا۔

''کیا پولیس ہیڈ کوارٹرز میں بھی چوری کا خطرہ پیدا ہو گیا؟'' بالے نے طنزیہ سوال کیا۔

''مجھے تو اب تمہارے لیے بھی خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ تم جیسے نوجوان احمقوں کا اکثر چور، موسم سرما میں اچار ڈالتے ہیں۔'' خان نے جواب دیا۔

''شاید آپ کو میری تعریف کے موزوں الفاظ نہیں مل رہے ہیں اس وقت۔''

''خیر، یوں ہی تسلی دے لو اپنے دل کو۔''

''لیکن یہ گارڈڈ پراپرٹی روم پر پہرہ کیوں؟''

''وہاں سلازار کے جسم کے باقی اعضا رکھے ہوئے ہیں۔'' خان نے اسے یاد دلایا۔

''وہ بے مصرف ہڈیاں؟'' بالے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''بعض بے مصرف چیزوں کی اہمیت جب واضح ہوتی ہے تو عقل گم ہو جاتی ہے، بیٹے۔'' خان نے کار کو اپنے بنگلے کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆

سلازار کی ہڈیاں

''آپ کا کیا خیال ہے اس مردے کے سینے کی چوری کے بارے میں؟'' بالے نے خان کے کمرے میں صوفے پر جمتے ہوئے کہا۔

''یہی کہ چور تم جیسا بے وقوف نہ تھا۔ وہ پیروں میں سپاٹ جوتے اور ہاتھوں میں دستانے پہن کر آیا تھا، ورنہ تم ضرور اس کے قدموں کی خاک چھانتے نظر آتے۔'' خان نے میز پر پڑی ہوئی ایش ٹرے کو اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

''تو یعنی کہ آپ کہیں سے چھپ کر اسے دیکھ رہے تھے؟'' یہ کہتے ہوئے بالے نے برا سا منہ بنایا۔

''تمہارا گھٹیا دماغ اور کیا سوچے گا۔'' خان نے ایسا ہی جواب دیا۔

''خیر، یوں ہی سہی، مگر یہ تیر آپ نے کس اندازے پر مارا ہے؟'' بالے بولا۔

''دروازے پر، میز پر، دوسرے کمرے کے دروازے یا اندر کے شیشے کے کیس پر کہیں بھی کسی کی انگلیوں کا ہلکا سا نشان بھی نہ تھا اور دوسرے کمرے میں فرش پر پڑی رہ گئی ہلکی سی گرد کی تہ میں جو ایک سپاٹ جوتے کا نشان بنا رہ گیا تھا۔'' خان نے بتانا شروع کیا۔

''لیکن آپ نے اس کا پرنٹ یا فوٹو تو لیا نہیں؟''

''ضروری نہیں تھا، صرف پیمائش کر لی تھی۔''

''اچھا تو چلیے مان لیا کہ چور سپاٹ جوتے اور دستانے پہنے تھا، مگر اس سے سراغ ہی کون سا ملتا ہے؟'' بالے نے سوال کیا۔

''یہ کوئی سوال ہوا۔ اچھا، بالے، بالفرض اگر ویسا ہی ایک جوتا تمہارے سر پر لگایا جائے تو کتنے بال رہ جائیں گے؟''

Akram Allahabadi

''مجھے یہ اعزاز نہیں چاہیے، آپ کو ہی مبارک ہو۔'' بالے نے اظہارِ بے تعلقی کیا۔

''خیر، وہ بعد میں سمجھا جائے گا، پہلے تم ویسا ایک جوتا ڈھونڈ کر لاؤ کہیں سے۔''

''میں؟ اوہ، سمجھا۔ شاید وہ مخصوص قسم کا ہوگا؟''

''یقیناً۔ ایسے سپاٹ جوتے جن کے تلے اور ایڑیاں برابر ہوں یا تو اسکائیرز استعمال کرتے ہیں یا برف پیا۔'' خان آپ سے آپ بڑبڑایا۔

''حالاں کہ دونوں کا اس زرخیز زمین سے کوئی واسطہ نہیں۔''

''نہیں، بالے۔ تلاش کرو۔ اس جوتے کی سپاٹ نوعیت ہی خود ایک علیحدہ چیز ہے، اس لیے اس سے سراغ میں مدد مل سکتی ہے۔''

''بہت اچھا۔ میں آج ہی بانا سے لے کر پٹیل برادرز تک کے اسٹور کھنگال ڈالتا ہوں۔ خدا کرے آپ کا مرغوب، آئی ایم ساری، محبوب جوتا مل جائے اور میں حاضر خدمت کر سکوں۔''

''کر سکوں نہیں، کرنا ہے۔''

''تو کیا آپ نے مجھے چراغ الہ دین کا دیو سمجھ لیا ہے یا سنڈریلا والے شہزادے کا الووزیر؟''

''دونوں صورتوں میں تم چڑی مار ہی معلوم ہو گے، بہتر ہے کہ ہوش کی باتیں کرو۔''

''بہتر ہے۔ یہ خادم اپنی خدمت پر نادم، بشکل سندباد نکلے گا تلاش میں آپ کے جوتے کے۔'' بالے نے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے عرض کیا۔ ''کاش آپ سنڈریلا ہوتے تو کتنی آسانی سے مل جاتا وہ جوتا۔'' بالے نے سرد سانس کھینچ کر کہا۔

''اب دفع ہو جاؤ، مردود۔ ورنہ تمہارا مزاج درست کر دوں گا۔''

''بہت خوب، سرکار، والا تبار، قبلہ نامدار، کالا بخار، پھیکا خمار۔'' بالے دوراز ے کی طرف چلتا ہوا بڑبڑاتا گیا۔

''میں اس وقت یہ طفلانہ بے ہودگیاں پسند کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' خان نے اسے ڈانٹ دیا۔

''میں بھی اس وقت کام کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تو دور ہو جاؤ یہاں سے، میرا وقت خراب مت کرو۔'' خان نے یہ کہہ کر غصے میں گھونسا تان لیا اور بالے، 'یہ چلا'، کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سپرنٹنڈنٹ خان بھی اپنی کار لے کر نکل گیا۔ سرسری طور پر اپنی کار مختلف علاقوں سے گزار کر وہ چار بجے جب پولیس ہیڈ کوارٹرز پہنچا تو سی آئی ڈی برانچ کے سپرنٹنڈنٹ بھائی جی بھی وہاں موجود تھے۔

''کیوں بھئی، یہ پراپرٹی روم پر پہرہ کیوں لگا دیا گیا ہے؟ کیا سلازار کی ہڈیوں سے بھی خوف محسوس ہونے لگا ہے؟'' بھائی جی نے خاں سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''خوف تو نہیں، البتہ ان کے غائب ہو جانے کا خطرہ ضرور محسوس ہو رہا ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

''ایسی کس میں جرأت ہے جو پولیس ہیڈ کوارٹرز میں گھس کر چوری کر سکے۔'' بھائی جی نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا۔

''جو محافظوں کو اندھا کر کے انسٹی ٹیوٹ سے اس کا چیسٹ کیس اڑا سکتے ہیں، وہ یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں۔'' سپرنٹنڈنٹ خان نے بتایا۔

''مگر اس سے ہو گا کیا؟ سلازار تو کب کا ختم ہو چکا۔''

''یہ ابھی میں بھی نہیں سمجھ سکا ہوں، لیکن اس کے چیسٹ کیس میں دھڑکن پیدا ہو جانا کچھ تعجب خیز نہیں؟ اگر آٹھ آٹھ ڈاکٹروں نے اپنی آنکھوں سے ایک مردہ انسان کے

صرف بغیر اعضا کے سینے کے حصے کو زندہ اور دھڑکتا نہ دیکھا ہوتا تو شاید آج میں بھی بہت مشکل سے اس پر یقین کرتا، مگر وہ آٹھ پڑھے لکھے اور سنجیدہ سائنس داں بیک وقت کسی وہم کا شکار نہیں ہو سکتے۔ ضرور کچھ عجیب سی باتیں ہو رہی ہیں اور جلد یا بدیر یقیناً کوئی حیرت انگیز واقعہ ظہور میں آئے گا۔'' سپرنٹنڈنٹ نے پیش گوئی کی۔

'' کچھ بھی ہو، دوست، تمہاری باتیں تو بعض وقت صرف تم ہی سمجھ سکتے ہو۔ اپنے پلے تو کچھ نہیں پڑا۔ خاص کر سلازار کے کیس میں تو بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس کی شخصیت واقعی کس قدر پراسرار تھی۔'' سپرنٹنڈنٹ بھائی جی یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور پتلون کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ٹہلتے ہوئے برآمدے کی طرف نکل گئے۔ خان اپنے کمرے سے نکل کر پراپرٹی روم کی طرف چلا آیا۔ پراپرٹی روم پر ڈیوٹی دینے والے مسلح کانسٹیبل اسے دیکھتے ہی اٹینشن ہو گئے۔ سب انسپکٹر اسرار احمد وہیں موجود تھا۔

'' سب ٹھیک ہے نا؟ کوئی نئی بات تو نہیں ہے؟'' خان نے اسرار سے پوچھا۔

'' جی ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا۔ ہڈیاں اندر محفوظ ہیں اور کمرے کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہے۔'' اسرار احمد نے بتایا۔ اس کے بعد خان اندر داخل ہو کر اسٹیل کے علیحدہ رکھے ہوئے کیس میں سلازار کی ہڈیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد پھر کچھ ہدایتیں دیتا ہوا لوٹ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

'' دکان دکان جوتے ڈھونڈتے بالے کو دوپہر ہو گئی۔ باٹا سے لے کر فلیکس اور ہمالیہ کے اسٹور تک اس نے کھنگال ڈالے، لیکن خان کی ہدایت کے مطابق فلیٹ جوتے کہیں بھی نہ ملے۔

صدر بازار کے باٹا شو اسٹورز کا سیلز مین تو اسے کریپ اور گیمس شو کے بہتیرے

ڈیزائن دکھانے کے بعد جھنجلا گیا۔

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟'' وہ اکتا کر بولا۔''فلیٹ شوز کا مطلب بغیر ایڑی کا جوتا تو نہیں ہے، ایڑی کا ہلکا سا گڑھا تو سب ہی میں ہوتا ہے۔'' وہ کہنے لگا۔

''ہے ہے، آپ اب بھی نہیں سمجھے، میرے بھائی۔'' بالے نے کہا۔''میرا باس ایسا جوتا مانگتا ہے کہ بالفرض اگر وہ آپ کے سر پر پڑ جائے تو پورے پیر کا ہموار ڈیزائن بن جائے۔'' بالے نے دونوں ہاتھ جھاڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

''میرے سر پر؟'' سیلز مین نے کسی قدر درشت لہجے میں دہرایا۔

''سچ مچ نہیں، میرے بھائی۔ میں تو ایک مثال دے رہا تھا صرف۔ آپ برا نہ مانیے گا۔'' بالے نے اسے چمکارنا چاہا، مگر وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا واپس چلا گیا۔ شاید وہ گاہکوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کے کمپنی کے حکم سے مجبور تھا ورنہ اسے کچا ہی چبا جاتا۔

بالے اسٹورز سے نکل کر پھر صدر بازار کی چوڑی سڑک ناپنے لگا۔ راستہ راستہ چلتے چلتے اچانک اس کی نظریں ایک دکان کے بورڈ پر رک گئیں، اس پر لکھا تھا، 'اسکٹنگ اسٹورز'۔ اندر داخل ہونے پر اسے دہلیز پر پیر میں پہن کر تسمے سے فٹ کیے جانے والے جوتوں میں ایک نئے ڈیزائن کے جوتے بھی مل گئے۔ وہ انھیں پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ان جوتوں کا نچلا حصہ بالکل سپاٹ تھا، جیسے ایڑی اور تلوا سب یکساں ہموار اور چکنا۔ اس نے انھیں پہن کر دیکھا۔ انھیں پہن کر چلنے میں کوئی آواز بھی نہ ہوتی تھی۔ ان کا اپر سفید کینوس تھا۔ جوتے ملائم اور سبک تھے۔

بالے نے بڑی کراہت کے ساتھ اپنی جیب پر فاتحہ پڑھتے ہوئے ان میں سے ایک جوڑا جوتا خرید لیا، جس کے لیے اسے ۲۰ روپے کا خون کرنا پڑا۔ وہ اس جوتے کو لے کر سید ھا خان کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا، مگر بنگلے پر پہنچنے پر اسے معلوم ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ خان پونہ گئے ہوئے ہیں۔

اسے خبر کیے بغیر خان کے پونہ کے لیے اس اچانک روانگی پر ایک فکر سی لاحق ہوگئی۔ اس نے گھر کے ملازم غلام رسول سے دوبارہ پوچھا کہ آیا وہ کوئی ہدایتیں دے کر گئے ہیں، لیکن غلام رسول نے لاعلمی ظاہر کی۔ مجبوراً بالے کو جوتے کے بیس روپے کسی دوست کو ادھار دی ہوئی رقم تصور کر کے صبر کا گھونٹ پیا پڑا۔ وہ لباس تبدیل کر کے گھومنے چل دیا۔ اس کے شام کے اوقات کی تفریح کا مرکز زیادہ تر ایور گرین ہوٹل رہتا، جہاں جیمس والٹر کے آرکسٹرا پر روز ہونے والا مس شیلا پیگی کا رقص اسے بہت پسند تھا۔ اور نہ صرف رقص، بلکہ وہ اس مست شباب، خوب صورت نقش ونگار اور گورے گول چہرے والی رقاصہ کو بھی بہت پسند کرتا تھا۔ وہ وہاں محض ایک تماشائی، ایک اجنبی آدمی کی حیثیت سے ہی جاتا تھا اور آج تک کسی کو یہ معلوم نہ ہوسکا تھا کہ وہ ہے کون۔ شیلا پیگی اسے اپنی طرف گھورتے دیکھ کر مسکرانے لگتی تھی اور بالے کبھی کبھی سب کی نظر بچا کر اسے منہ بھی چڑا دیتا، لیکن وہ اسے ایک زندہ دل نوجوان ہی سمجھتی تھی۔ وہ اس کی شکل سے مانوس ہو چکی تھی، لیکن قریبی تعارف کا موقع اب تک نہ آیا تھا۔ وہ اکثر جب رقص کرتے کرتے اس کے قریب آجاتی تو وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر یوں ہی مسکرا دیتے اور بس۔ بالے کا سارا جسم ایر کنڈیشنڈ ہو جاتا۔

شیلا پیگی رقص کر رہی تھی اور جیمس والٹر کا آرکسٹرا اس کے رقص سے ہم دوش موسیقی ہال میں بکھیرے ہوئے تھا۔ کچھ کھاتے کھاتے جھوم رہے تھے، کچھ پیتے پیتے، مگر بالے زبردستی جھوم رہا تھا۔ رقص ختم ہوگیا، آرکسٹرا خاموش ہوگیا، مگر بالے اب تک اس کرسی پر بیٹھا جھوم رہا تھا۔

''کیا بہت پسند آیا میرا ناچ؟'' شیلا پیگی کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''نا...آ...چ...او... ہاں۔ کیا کہنے ہیں آپ کے مس...مس؟'' وہ اپنی گدی کھجلا کر اس کا نام سوچنے لگا۔

''شیلا۔'' وہ ہنس کر بول پڑی۔ ''جیسے بے چارے جانتے ہی نہ ہوں میرا نام۔''

اس نے بے ساختگی سے کہا۔

''تمہارا نام، قسم ہے جیمس والٹر کے آرکسٹرا کی، تمہارا نام تو ہر وقت میرے دل میں بجتا رہتا ہے۔'' بالے اپنی اصلیت پر اتر آیا۔

''دیکھیے، ہم ابھی ایک دوسرے سے زیادہ واقف نہیں ہیں۔'' وہ کسی قدر سنجیدگی سے بولی۔

''واقف؟ ہونہہ، تم بھول گئی ہوگی، ورنہ میں تو تمہیں پچھلے جنم سے جانتا ہوں۔ تم جب پہلی بار نخلستان میں پیدا ہوئی تھیں۔''

''نخلستان میں؟'' وہ اس کی گفتگو میں دلچسپی لیتے ہوئے پاس والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ہاں ہاں، ایسا ہی انگلستان جیسا ایک ملک ہے۔'' بالے نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اوہ، مگر میں نے آج ہی نام سنا ہے اس کا۔''

''وہ سب یاد تھوڑی رہتی ہیں پچھلے جنم کی باتیں۔ میں نے جوتش ودھیا سے معلوم کیا ہے سب کچھ۔ بات اصل یہ ہے کہ اگر آدمی پچھلے جنم میں گدھا رہا ہو تو اگلے جنم میں ضرور آدمی ہی بنتا ہے۔'' بالے اسے اپنی زبان میں سمجھانے لگا۔

''گدھا؟'' شیلا اس کی بکواس سے جھنجلائی ہوئی بولی۔

''ہاں ہاں، سیدھا سادا، شریف جانور جو ہوتا ہے۔ اس لیے اسے دوسرے جنم میں اچھی حیثیت دی جاتی ہے۔''

''تو یعنی کہ تم پچھلے جنم میں گدھے تھے؟'' وہ ہنس پڑی۔

''کچھ ایسے ہی تھے ہم تم۔ کالو دھوبی کے گھاٹ پر تو بندھتے ہی تھے۔''

''معلوم ہوتا ہے تمہیں پچھلے جنم کی بہت سی باتیں یاد ہیں۔''

''پچھلے جنم کی؟ ارے مجھے تو اپنے سات پچھلے جنموں کی باتیں یاد ہیں۔ ایک جنم

میں شیر تھا، دوسرے میں ہاتھی، تیسرے میں بارہ سنگھا...''

''چوتھے میں گدھا اور پانچویں میں الو۔'' باقی حساب شیلا نے بے تکلف ہوتے ہوئے پورا کر دیا۔

''تم بہت جلدی سب کچھ سمجھ گئیں۔'' بالے نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

''تم مجھے ہمیشہ گھورتے کیوں رہتے ہو؟'' شیلا نے گفتگو کا رخ بدل کر پوچھا۔

''ہے ہے، اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا لڑتے ہیں تلوار میں مگر ہاتھ بھی نہیں، آئی ایم ساری، تلوار بھی نہیں ہاتھ میں۔'' بالے نے سرد سانس کے ساتھ ایک شعر بھی عرض کرتے ہوئے بولا۔ لیکن شیلا بات کرتے کرتے چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ بالے نے بھی دیکھا۔ ایک اوسط قد و قامت کا خوش پوش ادھیڑ عمر آدمی جو بشرے سے کافی بارعب اور اہم شخصیت معلوم ہوتا تھا، اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس نے ایک نظر ہال پر ڈالی اور پھر اس کی نگاہیں سب پر سے ہوتی ہوئی شیلا پر آ کر ٹھہر گئیں۔ شیلا ایک مودب کنیز کی طرح خاموشی سے اٹھ بیٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی۔

''میں تمہارا ایسے کسی آدمی سے ملنا پسند نہیں کرتا۔'' اس شخص نے آہستہ سے، مگر سخت لہجے میں شیلا کو ڈانٹا۔ جس پر شیلا صرف خاموشی سے اس کی صورت دیکھ کر سر جھکا کر رہ گئی۔

وہ شخص کاؤنٹر کے پاس پہنچ کر گھوما۔ اس نے مدھم لہجے میں منیجر سے کچھ باتیں کی اور ادھر زینے پر چڑھنے لگا۔

''ڈارلنگ، یہ چوکیدار کیا بولتا تھا؟'' بالے نے پیگی کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''یو شٹ اپ۔'' پیگی نے اسے ڈانٹ دیا اور خود بھی اس کی طرف دوبارہ دیکھے بغیر اس آدمی کے پیچھے اوپر چڑھنے لگی۔

بالے کو صبر نہ آیا۔ پیگی نے تو طوطے کی طرح آنکھیں بدل لی تھیں، لیکن اسکے رگ و ریشے میں مرچیں سلگنے لگیں۔ وہ ہوٹل سے باہر نکل آیا اور ٹہلتا ہوا باغیچے سے گذر کر پشت پر پہنچ

گیا۔ یہاں اس نے دیکھا، عمارت کی پشت پر بھی ایک لوہے کی سیڑھیوں کا گول زینہ تھا جو ہر منزل سے گزرتا ہوا چلا گیا تھا۔ وہ اس کے ذریعے دوسری منزل پر پہنچ گیا اور اس دروازے میں داخل ہو کر ایک تنگ و تاریک کاریڈور کو عبور کرتا ہوا، اندازے کے مطابق ہوٹل کے ہال کے اوپر والے حصے کے نزدیک آ گیا۔ ایک کمرے کے دروازے بھڑے ہوئے تھے، لیکن دروازے سے بجلی کی تیز روشنی چھن کر باہر پڑ رہی تھی۔ اس نے جھانک کر دیکھا اندر وہی شخص ایک صوفے پر بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ سامنے تپائی پر اسکاچ وہسکی کی بوتل کھلی رکھی تھی۔ پاس ہی سوڈے کی ایک بوتل اور ایک پلیٹ میں شاید مچھلی کے کباب تھے، کیوں کہ وہ تکونے تھے۔ اس کے پاس ہی اسی صوفے پر پیگی بیٹھی تھی۔ اس کا سر اس آدمی کی گود میں تھا اور وہ اس کے ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''پیگی ڈارلنگ، میں نہیں چاہتا کہ تم ایسے گھٹیا آدمی سے ملو۔''

گھٹیا کے لفظ پر بالے کا منہ بن گیا، اگر مصلحت پیش نظر نہ ہوتی تو شاید وہ کوئی جنگلی پن کر بیٹھتا، لیکن بڑے ضبط سے کام لے کر اس منظر کو دیکھتا رہا۔

''میں تو اسے کسی سرکس کا جوکر سمجھتی تھی۔'' پیگی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ہونہہ۔'' بالے نے ہونٹ بھینچ لیے۔ اور یہ سالا چین کا شہزادہ ہے جیسے۔ وہ آہستہ سے آپ ہی آپ بڑبڑایا۔ اتنے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر وہ جلدی سے پیچھے ہٹ کر تاریکی میں ہو گیا۔

کوئی زینے سے چڑھتا ہوا اوپر آ رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کی شکل تو نہ دکھائی دی، لیکن وہ کوئی پستہ قد آدمی تھا جس کے قدم تیز تیز اٹھ رہے تھے۔ اسی کمرے کے دروازے پر وہ آ کر رکا اور اس نے دروازے پر آہستہ آہستہ تین بار دستک دی۔

''آ جاؤ۔'' اندر سے آواز آئی۔ اور دوسرے لمحے وہ اندر داخل ہو گیا۔ بالے پھر تاریکی سے نکل کر دروازے پر آ گیا اور اب کی بار کی ہول (چابی کے سوراخ) سے اندر کا منظر

دیکھنے لگا۔نووارد اس شخص کے سامنے مودب کھڑا تھا۔

''کام ہوگیا، صاحب۔''وہ کہہ رہا تھا۔

''کہاں رکھا ہے؟''

''روح افزا والے بنگلے میں۔''نووارد نے جواب دیا۔

''شاباش۔'' پہلے والا شخص خوش ہوکر بولا۔نووارد نے اسے کوئی چیز نکال کر دی، جسے اس نے احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

''تم اب جا سکتے ہو۔''اس نے نووارد سے کہا۔اور نووارد سر جھکا کر اظہارِ تعظیم کرنے کے بعد پلٹنے لگا۔بالے پھر دروازے سے دور ہٹ آیا۔اور وہ شخص کمرے میں سے نکل کر دروازہ بھیڑتا ہوا زینے کی طرف چلا گیا۔اس حالت میں بالے اس کا پیچھا نہ کر سکتا تھا۔وہ تیزی سے کاریڈور کو عبور کر کے بلڈنگ کے پچھلے گول زینے کی طرف دوڑا اور جلدی جلدی سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آ گیا، پھر باغیچے کو عبور کر کے وہ ہوٹل کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ اسے اندر سے ایک پستہ قد آدمی باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔بالے ایک پودے کی آڑ میں بیٹھ گیا۔اس آدمی نے ایک نظر ادھر ادھر دیکھا اور پھر روش سے گزرتا ہوا ہوٹل کے احاطے سے باہر نکل آیا۔ بالے اب بھی اس کا پیچھا کر رہا تھا، مگر جب وہ ایک بجلی کے کھمبے کے نیچے سے گزرنے لگا تو روشنی میں اس کا چہرہ کسی قدر صاف نظر آ گیا۔بالے نے غور سے دیکھ کر اسے پہچاننے کی کوشش کی لیکن آگے پھر تاریکی آ گئی تھی۔سڑک کے کنارے کچھ دور پر ہی ایک کار کھڑی تھی، جو اسی وقت اسٹارٹ ہوگئی اور بالے کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ آدمی پھرتی سے اس کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔کار اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھنے لگی اور جب تک بالے قریب پہنچتا۔اس کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔

بالے دوڑ کر پھر ہوٹل کے احاطے میں گھس گیا اور پارکنگ شیڈ میں کھڑی ہوئی اپنی موٹر سائیکل نکال کر اس نے اسے اندر سے ہی اسٹارٹ کر دیا۔اس کی موٹر سائیکل بھی احاطے

سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی۔اور جلد ہی اس نے سیدھی سپاٹ سڑک پر جاتی ہوئی لمبی کار کو جالیا۔تقریباً دو لمبی سڑکیں طے کرنے کے بعد اس کے برابر پہنچ گیا۔کار زیادہ تیز نہیں دوڑ رہی تھی۔ڈرائیور نے اس کا اشارہ پاتے ہی کار روک لی۔بالے نے قریب پہنچ کر ڈرائیور کے چہرے پر روشنی ڈالی،مگر یہ تو کوئی اور ہی شخص تھا۔کوئی ادھیڑ عمر کا سیدھا سادا سا آدمی۔پھر بالے نارچ کی مدد سے کار کی نشستیں دیکھنے لگا۔مگر یہ دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی کہ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

''وہ جو اس میں بیٹھا تھا،وہ کہاں گیا؟''بالے نے اس سے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''اس میں...؟ کیا؟''ڈرائیور نے بھولے پن سے پوچھا۔

''ابھی ابھی،کچھ دیر پہلے؟''

''میری سمجھ میں نہیں آرہا،صاحب۔آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔اس میں تو کوئی نہیں تھا۔''

''میں نے اپنی آنکھوں سے ہوٹل کے پاس اس کار میں ایک آدمی کو بیٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''اوہ،وہ کوئی مسخرا تھا،صاحب۔نہ جانے کیوں کار کی پچھلی سیٹ کا ایک طرف کا دروازہ کھول کر اندر گھسا اور دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اتر گیا۔شاید کوئی پاگل ہوگا۔''ڈرائیور نے جواب دیا۔

''اتر گیا؟''بالے حیرت میں پڑ گیا۔''تو وہ دھوکا دے گیا کمبخت۔''وہ بڑبڑایا۔

''یہ کار کس کی ہے؟''اس نے دریافت کیا۔

''کار تو آب کاری کے سپرنٹنڈنٹ صاحب کی ہے۔''ڈرائیور نے جواب دیا۔

''اوہ،اچھا جاؤ۔''بالے نے جھینپے ہوئے انداز میں جواب دیا۔اور خود موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔لیکن ہوٹل پہنچنے پر اسے پتا چلا کہ وہ آدمی جو پگی کے ساتھ

اس کمرے میں شراب پی رہا تھا جا چکا ہے۔ہوٹل کے منیجر نے بالے کو یہ بھی بتا دیا کہ اس آدمی کا نام پریرا ہے اور وہ پیگی کا خاص دوست ہے۔کبھی کبھی اس سے ملنے آجاتا ہے۔منیجر کی اطلاع کے مطابق پیگی اس وقت اس کے ساتھ کہیں گھومنے چلی گئی تھی۔پیگی رات کو دو بجے تک نہیں لوٹی اور بالے دو گھنٹے اس کی واپسی کا انتظار کرنے کے بعد واپس چلا آیا۔وہ دراصل اس وقت خاص طور پر پریرا سے جل گیا تھا اور اس کی کوئی کمزور رگ پکڑنا چاہتا تھا کہ اپنے رومان کے تہس نہس ہونے کا کم از کم کچھ تو انتقام لے لے۔ویسے اب پریرا کی شخصیت اس کی نظروں میں زیادہ پراسرار نہ تھی، کیوں کہ منیجر نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ برا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔کسی اچھی جگہ نوکر ہے اور اس کے طور طریق بھی اچھے ہیں۔

رات کو وہ یہ دیکھنے کے لیے کوتوالی کی طرف بھی نہ گیا کہ شاید سپرنٹنڈنٹ خان کا کوئی فون یا پیغام اس کے نام آیا ہو۔وہ تین بجے واپس قیام گاہ پر پہنچ کر تھکا ہوا سا پلنگ پر گر پڑا اور وہی کپڑے پہنے سو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پراپرٹی روم کے دونوں مسلح محافظ کانسٹیبل دروازے کے قریب ہی اوندھے پڑے تھے اور کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔انسپکٹر اسرار پراپرٹی روم کا جائزہ لے رہا تھا اور باہر چند کانسٹیبل حیران حیران سے کھڑے تھے کہ اتنے میں ڈاکٹر آپہنچا۔ایک سپاہی پولیس ہیڈ کوارٹرز کے قریب کی ہی ڈسپنسری کے ڈاکٹر کو بلا لایا تھا۔ڈاکٹر دو منٹ ہی میں دونوں محافظ کانسٹیبلوں کو ہوش میں لے آیا، لیکن آنکھیں کھولتے ہی وہ حیران حیران سے خلا میں گھورنے لگے۔

''صاحب، داروغہ جی، ہیڈ صاحب۔'' وہ گھبرا گھبرا کر چیخے۔

''کیوں کیا بات ہے؟'' انسپکٹر اسرار نے قریب آکر پوچھا۔وہ محافظ بجائے جواب

دینے کے اس کا ہاتھ ٹٹولنے لگے۔

''مجھے کچھ نظر نہیں آتا، صاحب۔ کیا بتیاں بجھ گئیں ہیں، صاحب؟'' وہ محافظ بجائے جواب دینے کے اس کا ہاتھ ٹٹولنے لگے۔

''یہ تو صبح کا وقت ہے۔'' اسرار نے جواب دیا۔

''صبح کا، مگر میری آنکھیں؟'' اور وہ گھبراہٹ میں بار بار اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ ڈاکٹر نے ان کی آنکھوں کے پپوٹے پھیلا کر دیکھا۔ آنکھوں کی روشنی زائل ہو چکی تھی۔

''یہ اندھے ہو گئے ہیں۔'' ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔

''اندھے؟'' دونوں کانسٹیبل بیک وقت چیخے اور ان میں سے ایک پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اتنے میں باہر برآمدے سے سپاہیوں کی ایڑیاں بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر ہال کے دروازے پر کھڑا ہوا سارجنٹ اٹینشن ہو گیا۔ سپرنٹنڈنٹ خان آ پہنچا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے اندر داخل ہوتے ہی دریافت کیا۔ انسپکٹر اسرار اور دوسرے افسران و کانسٹیبل سب اٹینشن ہو گئے تھے۔

''سلازار کی ہڈیاں غائب ہو گئی ہیں۔ دو کانسٹیبل اندھے ہو گئے ہیں۔'' انسپکٹر اسرار نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

''مجھے پہلے ہی شک تھا کہ چیسٹ کیس کے بعد اس کی ہڈیوں کی ہی باری ہے۔ کانسٹیبلوں کو اسپتال پہنچا دو۔'' اس نے اسرار احمد کو ہدایت کی اور خود پراپرٹی روم میں داخل ہو گیا۔ وہ دیر تک اکیلا اس کمرے کا معائنہ کرتا رہا، لیکن کوئی بات قابلِ غور نہ تھی، سوائے اس کے کہ سلازار کی ہڈیاں بکس سے غائب تھیں۔ واپس لوٹتے ہوئے دروازے کے قریب وہ پھر چونک پڑا۔ دہلیز سے تقریباً ایک فٹ پیچھے وہی سپاٹ جوتے کا نشان بنا ہوا تھا جو دہلیز کے قریب منتشر رہنے والی ہلکی ہلکی دھول پر کسی قدر صاف نظر آ رہا تھا۔ خان نے جیب سے فوراً ایک اسٹیل ٹیپ نکال کر اسے اوپر سے ناپا۔ پھر وہ نوٹ بک نکال کر اس میں کچھ لکھنے لگا۔

''وہی ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔اور نوٹ بک کو جیب میں رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔کمرہ اس کی ہدایت کے مطابق پھر بند کر دیا گیا اور وہ اپنی کار پر بیٹھ کر شاید اپنے بنگلے کی طرف چل دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

''جوتا حاضر ہے، جہاں پناہ۔'' بالے نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔اس وقت دیوار گیر کلاک میں دس بج رہے تھے اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ ناشتے سے فارغ ہوئے تھے۔

''اپنا سر بھی ساتھ ہی حاضر کیجیے۔'' خان نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔

''میرا سر تو آپ ہیں۔'' بالے نے جواب دیا۔

''لیکن یہ وہ جوتا نہیں۔تم نے مفت میں بیس روپیوں کا خون کیا۔''

''بیس روپے؟ قبلہ، میں اسے بلیک مارکیٹ سے ۳۵ روپیوں کا خرید کر لایا ہوں۔'' بالے نے برجستہ جواب دیا۔

''تب ہی بنانے والے نے اندر اس کی قیمت بھی مہر کر دی ہے تاکہ تم جیسے حرام خوروں کی دال نہ گلے۔''

''خیر، آپ نہیں مانتے تو تمیں ہی دے دیجیے۔''

''فضول ہے اسے واپس کر کے آؤ۔''

''چہ خوش۔تمام دن جھک ماری۔خاندانی چمار کی طرح دکان دکان جوتا سونگھتا پھرا اور اب واپس کر کے آؤں۔''

''الو، اس کے تلے میں سلائی کی گئی ہے اور ان نشانات میں تلا اور ایڑی قطعی سپاٹ ہیں۔'' خان نے اسے جوتے کا نچلا حصہ دکھاتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''یہ اسکیٹنگ کا جوتا ہے اور وہ...'' خان یہ کہتے کہتے سوچ میں پڑ گیا۔

''میں کسی شو کمپنی کا ایجنٹ نہیں ہوں جو جوتوں کی قسمیں جانتا پھروں۔'' بالے نے منہ ٹیڑھا کر کے جواب دیا۔

''نہیں، تم تو بدایوں کے للّہ ہو، نامعقول۔'' خان اسے تیز نظروں سے گھور کر یہ کہتا ہوا پھر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

''آپ شاید تانسالیک کی سیر کرنے گئے تھے۔'' بالے نے قیاس آرائی کی۔

''تم کل رات کہاں تھے؟'' خان نے اس کی ان سنی کر کے پوچھا۔

''میں پیگی کا ڈانس دیکھنے گیا تھا۔''

''لعنت ہو تم پر۔ بہت آوارہ ہو گئے ہو۔''

''جی قطعی نہیں، دراصل میرا رقیب روسیاہ ایک مشکوک جانور ہے، میں اس کی کوئی بھی دکھتی رگ پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''میں صرف کام کی باتیں سننا پسند کروں گا۔''

''اچھا تو سنیے۔ شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے۔'' یہ کہہ کر بالے نے رات کا تمام واقعہ خان کو سنا ڈالا۔

''کیا کہا تھا اس نے، روح افزا والے بنگلے میں؟'' خان نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''روح افزا۔'' خان سوچنے لگا۔

''ہمدرد دواخانے کو فون کر کے معلوم کر لیجیے، ممکن ہے انھوں نے شربت روح افزا کا کوئی بنگلہ بنوایا ہو۔'' بالے نے رائے دی۔

''فضول گوئی چھوڑو، تمھیں ایک ضروری کام کرنا ہے۔'' خان نے پھر اس کی ان سنی کر دی۔

Akram Allahabadi

''فرمایئے؟ میں ہمہ تن خرگوش ہوں۔'' بالے نے کچھ اس انداز سے اپنا کان اس کے قریب کرتے ہوئے یہ جملہ کہا کہ خان کو بھی ہنسی آ گئی۔ لیکن فوراً بعد ہی وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''تم میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے اسٹور کیپر سے کسی طرح یہ معلوم کرو کہ ۶ ماہ قبل گورنمنٹ کی سائنسی تحقیق کی لیبوریٹری سے جو تولہ بھر ریڈیم منگایا گیا تھا، وہ کس کے لیے اور کس کام میں لایا گیا۔ یہ بھی معلوم کرنا کہ اس وقت اسٹاک میں ریڈیم کی کوئی مقدار موجود ہے یا نہیں۔'' خان نے ہدایت کی۔

''تولہ بھر ریڈیم۔'' بالے نے دہرایا۔ ''تو آپ کو کیسے معلوم کہ ریڈیم وہاں سے منگایا گیا تھا؟'' بالے نے سوال کیا۔

''وہ بہت قیمتی دھات ہوتی ہے اور محدود مقدار میں صرف خصوصی تجربات کے لیے حاصل کی گئی ہے۔ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں جب میں نے تحقیق کی تو اسٹور کیپر نے صاف انکار کر دیا تھا کہ انسٹی ٹیوٹ میں نہ ریڈیم ہے نہ لایا گیا ہے۔ اس کے بعد میں نے سرکاری لیبارٹری آف سائنٹیفک ریسرچ میں جا کر تحقیق کی تو اسٹورز کے اجرا کے رجسٹر میں ۶ ماہ قبل کی تاریخ میں تولہ بھر ریڈیم میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے نام درج تھا۔ اس کے انڈنٹ پر اسٹور کیپر کے علاوہ انسٹی ٹیوٹ کے سپرنٹنڈنٹ کے بھی دستخط ہیں۔''

''تو پھر آپ اس اسٹور کیپر کو قانون کی زد میں کیوں نہیں لے آتے؟''

''وہ دونوں سرکاری ادارے ہیں اور جب تک ہمیں ان میں سے کسی کی طرف سے اس کی کوئی رپورٹ نہ ملے اور ہم سے تحقیق کا مطالبہ نہ کیا جائے، ہمیں ان کے معاملے میں دخل دینے کو کوئی حق نہیں۔ اس کے علاوہ اجرا کے رجسٹر میں راز کے تجربے کے لیے بھی لکھا تھا، اس لیے اس سلسلے میں ہم کوئی تحقیق بھی نہیں کر سکتے۔'' خان نے جواب دیا۔

''ایسی صورت میں وہ مجھے کیوں بتانے لگا؟''

''تمہیں اس کے ساتھ ایک خطرناک ڈاکو جیسا سلوک کرنا پڑے گا۔''

''یعنی زبردستی؟''

''بالکل۔''

''اور میں گرفتار کرلیا گیا تو؟''

''دس بیس دن شاہی مہمان خانے میں آرام کرلینا۔''

''عجیب عجیب ڈیوٹیاں عنایت فرماتے ہیں آپ۔''

''بیٹے سراغ رسانی کرنی ہے تو پاپڑ تو بیلنے ہی پڑیں گے۔''

''بہتر ہے۔تو کیا میں اپنا نام سلطانہ ڈاکو رکھوں؟ میرے خیال میں بہرام ڈاکو زیادہ اچھا رہے گا۔''

''پھر وہی بکواس۔''

''ہاں بکواس بھی ٹھیک رہے گا۔''

''مغز مت چاٹو میرا،مردود۔مجھے سکون چاہیے۔''

''پولیس والوں کو سکون دو ہی طریقوں سے نصیب ہوتا ہے،یا تو مرنے کے بعد یا پیدا ہونے سے پہلے۔''

''اچھا،اب تم دفع ہو جاؤ یہاں سے،ورنہ...'' یہ کہہ کر خان اٹھ کھڑا ہوا اور بالے، 'بہت خوب بہت اچھا'، کہتا ہوا جلدی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

سلازار

شہر سے تقریباً ۱۲ میل دور ایک نیم پختہ سڑک کے کنارے سے کھینچی ہوئی قدِ آدم فصیل کے اندر نصف میل تک باغ 'روح افزا' پھیلتا چلا گیا تھا۔اس باغ میں چار پرانے حوض چاروں کونوں پر تھے، جن میں برسات کا گندہ پانی بھرا بھرا سڑ گیا تھا اور اس پر کائی کی تہیں جم رہی تھیں۔ان حوضوں کے آس پاس کچھ بڑی بڑی کیاریاں تھیں، جن میں سنگترے کے درختوں کی قطاریں لگی تھیں۔باگ کی روشیں سب اجاڑ سی پڑی ہوئی تھیں اور ان پر ہری ہری گھاس اگ آئی تھی۔معلوم ہوتا تھا جیسے مدت سے کوئی ان کی نگہداشت نہ کرتا ہو۔سنگتروں کے درختوں کی قطاروں کے بعد روشیں تھیں اور ان کے بعد خود رو جنگلی پودوں کی بے ترتیب جھاڑیاں اگ آئی تھیں، جن کے بیچ بیچ میں آم کے اونچے اونچے درخت اپنے بازو پھیلائے دور تک کھڑے تھے۔اس سبزہ زار کا سلسلہ چاروں طرف سے سمٹ کر ایک برسوں سے بغیر رنگ و روغن کی دیواروں کے ساتھ سر اونچا کیے کھڑے ہوئے قدیم طرز کے بنگلے تک پہنچ گیا تھا۔اس کی چھت کافی بلند تھی، جس پر انگریزی ٹائلز (کبیلو) منڈھے تھے اور ان کے درمیان سے دو چمنیاں باہر نکلی تھیں۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے برسوں سے اس بنگلے میں کوئی نہ رہتا ہو اور رہتا بھی تو شاید کبھی کبھی اور وہ بھی بنگلے اور باغ سے قطعی لاپرواہ۔بہرحال باہر سے اسے دیکھ کر تو یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس میں کوئی رہتا ہوگا۔

یہ بنگلہ کسی زمانے میں ایک انگریز کرنل نے بنوایا تھا، لیکن بعد میں اسے نواب صفدر یار جنگ نے خرید لیا تھا۔پہلے تو وہ خود یہاں رہنے لگے تھے، مگر ان کی موت کے بعد ان کے بیٹے یاور جنگ نے اسے چھوڑ کر شہر میں رہائش اختیار کر لی تھی اور تب سے یہ اسی طرح اجاڑ اور بے نگہداشت کے پڑا ہوا تھا۔

اس وقت بنگلے اور اس کے قریب و جوار پر دوپہر کا سنسنی خیز سناٹا چھایا ہوا تھا۔اس کے اردگرد تقریباً میل بھر تک کوئی آبادی نہ تھی سوائے ان کھیتوں کے جو اس پارشٹی پور کے چھوٹے سے گاؤں کے کسانوں اور زمیندار کی ملکیت تھے۔خلافِ معمول، بلکہ خلافِ توقع اس وقت اس بنگلے کے بیرونی شیڈ میں ایک لمبی کار کھڑی تھی، جس کی کھڑکیاں تک بند تھیں۔بنگلے کا برآمدہ سونا تھا، لیکن اندر بہت مدہم سی نقل و حرکت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔برآمدے میں بنے ہوئے دروازوں میں سے ایک اندر کے وسیع اور بلند چھت والے ہال میں کھلتا تھا اور اسی ہال میں ہی ایک زینہ تھا، جو داہنی طرف گھومتا ہوا اوپر چلا جاتا تھا۔زینے کے نزدیک ہی نیچا ایک عدد دروازہ تھا جو ایک دوسرے بڑے کمرے میں کھلتا تھا۔

اس وقت یہ کمرہ طرح طرح کے سائنسی تجرباتی آلات سے سجا نظر آرہا تھا اور درمیان میں بچھی ہوئی ایک پانچ چھ فٹ لمبی میز پر کوئی سفید سا لباس پہنے اور چہرے کو سفید رومال سے چھپائے جھکا ہوا تھا۔صرف اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔اس کے نزدیک ہی ایک دوسرا شخص بھی ہاتھ میں کچھ آلات لیے کھڑا تھا اور میز پر سلازار کا اغوا شدہ چیسٹ کیس رکھا دھڑک رہا تھا۔اس کے سر ہانے سلازار کی کھوپڑی اور بازو میں علیٰحدہ علیٰحدہ اس کے ہاتھ اور ٹانگوں کی ہڈیاں رکھی تھیں۔ان ہڈیوں پر پہلے کی طرح موٹی موٹی نسیں اب بھی پیوست تھیں۔اس لباس سے وہ آدمی کوئی ڈاکٹر ہی معلوم ہوتا تھا۔اس نے اس وقت سلازار کی کھوپڑی کو ماتھے کے قریب سے کھول کر دو ٹکڑے کر دیئے تھے اور کمرے کی اس تاریک فضا میں اوپر سے روشنی ڈالنے والے ۵ ہزار کینڈل پاور کے شیڈ لیمپ کے تیز تابش میں وہ اس کے اندر محفوظ شدہ بھیجے پر نہ جانے کیا عمل کر رہا تھا۔کئی منٹ اسی طرح مصروف رہنے کے بعد اس نے پھر اس کھوپڑی کو مکمل کر دیا، جس سے گردن کا نرخرہ اب تک پیوست تھا۔ابھی وہ اطمینان کی ایک سانس ہی لے پایا تھا کہ کھڑکی کے نزدیک رکھی ہوئی ایک چھوٹی ٹیبل کے اوپر رکھے ہوئے ریڈیو فون بکس سے ٹک ٹک کی آواز سن کر رک گیا۔میز کے نزدیک اس نے جا کر دیکھا اس کے تین نمبر خانے کا

نمبر گر گیا تھا۔ بکس سے ایک منسلک فلیکسیبل تار میں ایک چھوٹا گول ماؤتھ پیس لگا ہوا تھا۔ اس نے اسے اٹھالیا۔

''ہیلو، یس اسپیکنگ۔''

اس تین نمبر کے چھوٹے سے گول خانے سے آواز سنائی دینے لگی۔ ''وہ بڑا چوہا آیا تھا شاید آپ سے ملنے۔ لوٹ گیا ہے، لیکن شک ہے۔''

''کوئی بات نہیں تم اس پر نظر رکھو، میرے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''او کے، باس۔'' دوسری طرف سے جواب ملا اور ساتھ ہی تیسرا نمبر جو اپنے خانے سے اندر گر گیا تھا، پھر اپنی جگہ آ کر پیوست ہو گیا۔ ڈاکٹر نے ماؤتھ پیس رکھ دیا اور میز سے کچھ دور ہی دیوار میں لگے ہوئے بجلی کے کال بیل سیٹ میں دوسرے نمبر کا بٹن دبا دیا۔ پھر وہ جیب سے رومال نکال کر ماتھے کا پسینہ پونچھتا ہوا بڑی میز کے نزدیک ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ دو منٹ بھی نہ گزر پائے تھے کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔ یہ ایک اوسط قد و قامت کا جوان تھا۔ وہ سامنے آ کر مودب کھڑا ہو گیا۔

''باغ کے دروازے پر روح افزا کا جو پتھر لگا ہوا ہے، اسے نکلوا کر آرام باغ لگا دو۔'' اس نے حکم دیا۔ آنے والے نے اظہار اطاعت میں سر ہلا دیا۔

''آرام باغ کا پتھر تیار ہے نا؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''باہر موجود ہے۔''

''تو فوراً بدل دو۔ اور ہاں، تم جانتے ہو کہ اسے کس طرح پرانا معلوم ہونا چاہیے؟''

''آپ اطمینان رکھیے۔'' یہ کہہ کر اس نے دوبارہ سر جھکایا اور پھر الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

''دیو، میرے تجربات کامیاب ہو گئے تو ساری دنیا چونک اٹھے گی۔'' ڈاکٹر نے

اپنے اسسٹنٹ سے کہا۔

''لیکن اگر وہ خطرناک ثابت ہوا تو؟'' سفید پوش اسسٹنٹ، جسے اس نے دیو کے نام سے مخاطب کیا تھا بولا۔

''میں نے اس کے برین کے لاشعور اور حافظے والے خانے مفلوج کر دیے ہیں۔ اس کے بھیجے کا آپریشن میں نے اسی لیے کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اب وہ کچھ سوچ نہیں سکے گا، صرف سمجھے گا اور اطاعت کرے گا۔'' ڈاکٹر نے کامیاب مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اور آپ اس سے کیا کام لیں گے؟''

''جب دیکھو گے تو ہنستے ہنستے پاگل ہو جاؤ گے اور حیرت سے دنگ بھی۔''

''کیا کوئی اور تجربہ؟''

''بالکل نیا، دنیا کا سب سے اچھوتا تجربہ۔'' ڈاکٹر قہقہہ مار کر ہنسا۔ اور وہ اس کے بعد پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فریئر روڈ پولیس اسٹیشن کے علاقے میں بالعموم رات کو گیارہ بجے کے بعد گہرا سکوت طاری ہو جاتا تھا۔ اس علاقے میں رات کو کام کرنے والے کارخانے نہیں تھے، اس لیے یہاں کی رات اس قدر پرسکون اور خاموش تھی کہ اکثر سرکاری بجلی کی مدھم روشنی میں دور تک چمکتی ہوئی تارکول کی پختہ چوڑی سڑکیں اور دو طرفہ عہدِ قدیم کے پتھر کے جسیم دیوتاؤں کی طرح سر اٹھائے کھڑے ہوئے خاموش مکانات گلادے کا ماڈل معلوم ہونے لگتے۔

گشتی کانسٹیبل مدھم سروں میں منہ سے سیٹی بجاتا ہوا چوراہے سے گزر کر ایک چھوٹی سی گلی میں مڑ گیا۔ دور سے اسی سڑک پر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی ہاتھ میں ایک کپڑے کا چھوٹا سا تھیلا لٹکائے کسی گہرے خیال میں کھویا فٹ پاتھ کے کنارے کنارے چلا آ رہا تھا۔ کسی گلی کے

کتے بے ہنگم سروں میں پرسکوت رات کی رومان آفرینی پر کوئی فلمی گیت گانے لگے۔مگر وہ اپنی دھن میں کھویا ہوا تھا۔اس نے کتوں کے اس زندہ دلانہ مذاق پر توجہ بھی نہ دی۔فٹ پاتھ کو بیچ میں کاٹتی ہوئی ایک تاریک سی گلی اندر کی گھنی آبادی میں نکل گئی تھی۔

گلی کے موڑ پر ایک سایہ سا لہرایا اور پھر اندھیرے میں سکڑ گیا۔کسی بند ہوٹل کے دروازے کے نیچے سر چھپائے پڑے ہوئے آوارہ کتے نے آنے والے کا نام پوچھا،مگر پھر اسے پولیس کی ڈیوٹی سمجھ کر خود ہی خاموش ہوگیا۔آنے والا شخص فٹ پاتھ سے اتر کر گلی کے درمیانی حصے کو عبور کرنے لگا۔

اچانک ایک سیاہ ہاتھ تاریکی سے بلند ہوا اور اس نے اس شخص کی گردن اپنی گرفت میں لے لی۔وہ کسی باز کے پنجے میں آئے ہوئے کبوتر کی طرح پھڑ پھڑانے لگا اور اس کی تھیلی ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔

سیاہ ہاتھ اس کی ناک تک پہنچ گیا۔اس کے ہاتھ کے رومال میں کوئی سفید چیز ملی تھی۔چند سیکنڈ کے بعد وہ آدمی بے ہوش ہو کر اسی نامعلوم سیاہ سے سائے کے بازوؤں میں گر پڑا۔اور دو منٹ بعد اس تاریک گلی میں ایک سیاہ سایہ اپنی کمر پر ایک مٹیالے رنگ کا بڑا سا تھیلا ٹانگے چلا جا رہا تھا۔آوارہ کتے اب بھی گیت گا رہے تھے اور گشتی کانسٹیبل آدھی رات کی اس بے کیف سی ڈیوٹی کی اکتاہٹ کو دور کرنے کے لیے مدہم سروں میں سیٹی بجاتا پھر سڑک پر نکل آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

دوسرے دن سویرے فریئر روڈ پولیس دو گمشدہ آدمیوں کو تلاش کر رہی تھی۔ان میں سے ایک تعلیم یافتہ نوجوان آدمی تھا جو شہر کی ایک بڑی فرم میں کلرک تھا اور دوسرا ایک ادھیڑ عمر کا بنیا جو کسی سیٹھ کی پیڑھی سے حساب کتاب کر کے واپس لوٹ رہا تھا۔ان کے گھر والوں نے

پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی کہ گزشتہ شام سے ان کا پتا نہیں۔ان کے دفتروں سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک تو آخری شو سنیما دیکھنے چلا گیا تھا۔دوسرا اپنے سیٹھ کی پیڑھی سے رات کے ساڑھے ۱۱ بجے لوٹا تھا،لیکن دونوں رات سے اب تک اپنے گھر نہیں پہنچے تھے۔

پولیس نے تمام علاقے اور ممکنہ مقامات پر ان کا پتا لگنے کے بعد مایوس ہو کر ان کے گھر والوں کو یقین دلا دیا تھا کہ جیسے ہی کوئی پتا چلے گا،آپ کو خبر کر دی جائے گی۔پولیس خود بھی گمشدگی کی ان رپورٹوں کے بارے میں زیادہ سنجیدہ نہ تھی، کیونکہ گم ہونے والے بچے تو تھے نہیں،کئی کئی بچوں کے باپ تھے۔ممکن تھا کہ کسی خاص وجہ سے کسی خاص کام سے اچانک کہیں باہر چلے گئے ہوں۔

لیکن تیسرے دن سویرے رام گھاٹ کے پولیس اسٹیشن پر بھی دو آدمیوں کی گمشدگی کی رپورٹیں لکھوائی گئیں۔ان کے رشتے داروں نے تو رو رو کر پولیس اسٹیشن ہی سر پر اٹھا لیا۔ بڑی مشکل سے انھیں اس یقین دہانی کے ساتھ خاموش کیا گیا کہ پولیس جلد ہی ان کا پتا لگا لے گی۔

ابھی تک پریس ان اطلاعات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔اور پھر کوئی ایسی حیرت ناک بات بھی نہ تھی،مگر کیوں کہ دو ہی دنوں میں ایسے چار آدمی اپنے گھروں سے غائب ہو چکے تھے،اس لیے پولیس کے بعض افسر معاملے پر سنجیدگی سے بھی غور کرنے لگے تھے۔گمشدہ اشخاص کے بارے میں لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوا تھا کہ وہ لوگ سیدھے سادے اپنی خاندانی زندگی کے مصروف لوگ تھے،جو اب سے پہلے شاید اپنی عمر میں کبھی اپنے گھروں سے بغیر اطلاع کبھی باہر نہیں رہے تھے۔

دو دن ان کی واپسی کا انتظار کیا گیا،لیکن چوتھے دن پھر ایک اور گمشدگی کا واقعہ بھولا ناتھ ٹینک کے علاقے سے رپورٹ کیا گیا۔ایک ہی نوعیت کے پانچ واقعات ہو چکے تھے۔شہر

کے کسی کونے میں کہیں لاش، کوئی ایسا سراغ بھی نہ ملا تھا جس سے ان میں سے کسی کے اغوا یا خودکشی یا قتل کا شبہ ہو سکتا۔

پولیس کے لیے یہ وارداتیں اس لیے اور بھی قابلِ غور ہوئی جا رہی تھیں کہ وہ تمام تر رات کے اوقات میں واقع ہوئی تھیں۔ گم ہونے والے آدمیوں کے عزیز و اقارب شب و روز پولیس اسٹیشنوں کے چکر لگا لگا کر پولیس کو پریشان کیے ہوئے تھے۔ لیکن ابھی تک یہ معاملات اعلیٰ حکام تک نہ پہنچے تھے۔

سپرنٹنڈنٹ خان ان دنوں ایک عجیب سے تجربے میں مصروف تھا اور بالے فرصت کے اوقات میں فلیٹ شوز ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

وہ دوبارہ پیگی سے بھی ملا، مگر بے سود۔ وہ پراسرار شخصیت دوبارہ ہوٹل میں نظر نہ پڑی۔ اور پیگی نے صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ میرا ایک پرانا دوست ہے۔ اس سے زیادہ اس نے بالے کو کچھ نہ بتایا اور بالے بظاہر اس کی طرف سے قطعی غیر متعلق ہو گیا، لیکن اس بار اس پر بھی کسی شاندار جاسوسیت کی دھن سوار تھی۔

شام کا دھندلکا چھا رہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ خان اس وقت کسی قدر فرصت سے اپنے بنگلے کے برآمدے میں آرام کرسی پر بیٹھا جھول رہا تھا۔ اس کا گرے ہاؤنڈ کتا پاس ہی بیٹھا نیلگوں آسمان کی خلاؤں میں شاید نامعلوم روحوں کو گھور رہا تھا کہ اندر ہال سے بالے کی آواز سنائی دی۔ وہ شاید غلام رسول پر بگڑ رہا تھا کہ شام کی چائے اتنی سی کیوں بنائی گئی جو ختم ہو گئی۔ پھر جھنجلاہٹ میں معمول سے بھاری قدم رکھتا ہوا وہ برآمدے میں آ گیا۔

''اوہ، آپ یہاں؟'' وہ مصنوعی حیرت کے ساتھ بولا۔ لیکن خان نے اس کی بات کا کچھ جواب نہیں دیا۔

''میں تو سمجھا تھا کہ اب آپ شاید کوئی تیسرا تجربہ فرما رہے ہوں گے۔'' یہ کہتا ہوا وہ سامنے والی دوسری کرسی پر جم گیا۔

''سنا ہے تمہارا عشق آج کل بہت زوروں پر ہے؟'' خان نے مختصر سا سوال کیا۔

''آپ کی دعا ہے۔'' بالے نے دونوں ہاتھ جھٹکے۔

''پیگی اچھی عورت نہیں۔''

''آپ اپنی نظر سے دیکھ رہے ہیں، ورنہ وہ تو اتنی خوبصورت ہے، جیسے...''

''تمہارا سر۔'' خان جھنجلا گیا۔

''آپ شاید گمشدگی کی وارداتوں سے جھنجلائے ہوئے ہیں؟'' بالے نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

''میں ایسے چھوٹے معاملات میں اپنی ٹانگ اڑانا نہیں چاہتا۔''

''بغیر دودھ بخشوائے پانچ عدد بیویوں کے پانچ عدد شوہر غائب ہو چکے ہیں اور آپ انھیں چھوٹے معاملات ہی سمجھے بیٹھے ہوئے ہیں؟''

''دماغ مت چاٹو، مجھے ایسے واقعات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ سول پولیس کا کام ہے۔ وہ خود کر لے گی۔'' خان نے سر کو جھٹک کر جواب دیا۔

''سنا ہے آپ نے انسپکٹر ڈیسوزا کو اس کام پر معمور کر دیا ہے؟''

''ہاں، وہ کافی ہے۔''

''اور میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''تم کسی سنیما کے سامنے شربت بیچو۔ اب تمہیں ہر قدم پر کام بھی مجھے ہی بتانا ہوگا؟'' خان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''اوہ، تو یعنی کہ میں آزاد ہوں؟''

''قطعی نہیں۔ تم پیگی کے اس دوست کا پتا لگاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ اس رات سلازار کی ہڈیوں کی گمشدگی اور ہوٹل میں اس کے اپنے آدمی سے کہے ہوئے مکالمے سے کوئی تعلق ہو۔''

''وہ کم بخت تو اعشاریہ سے پہلے والے صفر کی طرح غائب ہو گیا ہے۔ پیگی بھی

کچھ نہیں بتاتی۔"

"تو پھر سراغ رسانی کا شوق چھوڑ کر پان کی دکان کھول لو۔"

"آپ کا مشورہ نیک ہے، لیکن اگلے جنم کے لیے۔"

"خیر آؤ، تمہیں ایک خطرناک تجربہ دکھاتا ہوں۔" خان یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بالے اس کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں ہال سے گزرتے ہوئے پچھلا کمرہ عبور کر کے پچھلی راہ داری میں نکل آئے۔ یہاں بالے یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ دو بلیاں دو قریب کے ستونوں سے بندھی ہوئی ایک دوسرے پر غرا رہی تھیں، لیکن وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتی نہ تھیں۔

"یہ کیا بلاؤں کو رو رہی ہیں؟" بالے نے پوچھا۔

"یہ اندھی ہو چکی ہیں۔"

"اور آپ شاید انھیں کسی اندھوں کے اسکول بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"الو کہیں کے۔ یہ وہی تجربہ ہے جس کے ذریعے پراپرٹی روم کے محافظ سپاہی اور انسٹی ٹیوٹ کے اسسٹنٹ اندھے ہو گئے تھے۔"

"اور وہ حرکت بھی آپ ہی کی تھی، خدا آپ کو معاف کرے۔"

"وہ حرکت جس کی بھی تھی وہ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا، سر دست تم مضافاتی علاقوں میں روح افزا نام کے باغ کو تلاش کرو، میں شہری علاقوں میں تحقیق کرا چکا ہوں، یہاں اس نام کا کوئی باغ نہیں ہے۔"

"بہتر ہے، میں جنگلوں کی خاک چھان لوں گا، آپ فقط ایک عدد لیلیٰ فراہم کر دیجیے۔" بالے نے آخر سراطاعت خم کر دیا۔

"سر پھروں کے لیے تصور کافی ہے۔" خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ نے اس تجربے کے بارے میں نہیں بتایا؟"

"وہ ریڈیم نارنج ہے، وقت کی جدید ترین اور خطرناک ایجاد۔ اور تمہیں حیرت

ہوگی کہ اس کا فارمولا بہت آسان ہے۔"

"تو آپ سائنس داں بھی ہیں؟"

"عقل کو کام میں لانے کا دوسرا نام سائنس ہے، بیٹے۔ اچھا، اب تم جاؤ، چائے پیو، میں سکون چاہتا ہوں۔"

"دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی تنہائی پسندی بے زاری کی حد تک پہنچی جا رہی ہے۔"

"تو کیا تمہیں گود میں بٹھا کر پیار کروں؟"

"لاحول ولاقوۃ۔ پھر وہی بھونڈا مذاق۔"

"بھونڈے آدمیوں کے ساتھ بھونڈا ہی مذاق کیا جانا چاہیے، چلو اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

"کون سی دفع ارشاد فرمائی آپ نے؟"

"نکل جاؤ، مردود۔"

"میں نے تعزیرات ہند میں تو ایسی کوئی دفعہ نہیں پڑھی۔"

"اف فوہ، تم بہت بکواس کرنے لگے ہو آج کل۔"

"آپ ہی کی صحبت کا اثر ہے۔"

"یوں نہیں مانو گے تم۔" یہ کہہ کر خان اپنی نشست سے اٹھا ہی تھا کہ بالے مسکراتا ہوا جلدی سے باہر نکل گیا اور خان سنجیدگی سے کسی خیال میں کھویا ہوا برآمدے میں ٹہلنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کی سیاہی پھیلتی اور گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔ آسمان پر تارے چھٹکے ہوئے تھے اور زمین پر گہرا خواب گیر سکوت طاری تھا۔ گم شدگی کے واقعات کے بعد سے ہر علاقے کے بعض پولیس افسران بھی راتوں کو شہر کا گشت کرنے لگے تھے۔

Akram Allahabadi

اس وقت شہر کا بڑا گھڑیال ساڑھے ۱۲ بجا کر ابھی فارغ ہوا ہی تھا۔

انسپکٹر ڈیسوزا آج خود سٹی سنٹرل ایریا میں اپنی جیپ کار پر گشت لگا رہا تھا۔ سڑکوں پر اکا دکا مسافر اتفاق سے نظر آجاتے ورنہ سناٹا ہر طرف چھا چکا تھا۔

اچانک کسی کی خوفزدہ چیخ سن کر انسپکٹر ڈیسوزا نے اپنی بھاگتی ہوئی کار بریک مار کر روک لی۔

سنٹرل ایریا پولیس کے گشتی سپاہی تو آواز سن کر دوڑ پڑے۔ ڈیسوزا نے بھی اپنی جیپ گاڑی تیزی سے پلٹائی اور دوڑتے ہوئے سپاہیوں کے پیچھے چلنے لگا۔

ایک تاریک گلی کے موڑ کے نزدیک ایک آدمی زمین پر پڑا ہوا تھا اور اس سے تقریباً ۱۰۰ گز کے فاصلے پر ایک سایہ بھاگتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

''اس کا پیچھا کرو۔'' ڈیسوزا نے گاڑی سے اترتے ہی کانسٹیبلوں کو حکم دیا اور دو کانسٹیبل فوراً ہی اس سائے کے پیچھے دوڑ پڑے۔ وہ سایہ ایک دوسری گلی میں جا کر گھوم گیا۔ آدھی رات کے سناٹے میں گلیاں اور سڑکیں سب ویران پڑی تھیں۔ ویسے بھی جاڑے کے دنوں میں لوگ جلدی سو جاتے تھے۔

لیکن گلی میں دوڑتے ہوئے پولیس کانسٹیبلوں کے بھاری جوتوں کی آواز نے بہت سے آدمیوں کو سوتے سے اٹھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی پولیس کی سیٹیاں بجنے لگیں۔ دوسری گلیوں اور سڑکوں پر اونگھتے ہوئے پولیس کانسٹیبل بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ گلیوں کو عبور کر کے کانسٹیبل سڑک پر نکل آئے۔ دوسری گلیوں کے پہرے دار بھی ان کے نزدیک آگئے۔

''کوئی سایہ بھاگتا ہوا نظر آیا؟'' ایک ہیڈ کانسٹیبل نے دریافت کیا۔

''ادھر تو کوئی نہیں، صرف سیٹیاں سنائی دی تھیں۔''

''نہ جانے کدھر غائب ہو گیا، کمبخت۔ پھر سے تلاش کرو۔'' ہیڈ کانسٹیبل نے ہدایت

Akram Allahabadi

کی۔

''مگر تھا کون؟''

''ضرور کوئی خطرناک چور ہوگا۔'' ہیڈ بولا۔

اور اس کی ہدایت پر سب ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ ہیڈ کانسٹیبل انسپکٹر ڈیسوزا کو رپورٹ دینے کے لیے واپس چلا آیا۔ تب تک زمین پر پڑا ہوا آدمی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ انسپکٹر ڈیسوزا اس پر جھکا ہوا تھا۔ ایک کانسٹیبل پیچھے کھڑا تھا۔ وہ آدمی گھبرایا گھبرایا سا بار بار ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

''وہ...وہ...'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔

''کون تھا وہ؟'' ڈیسوزا نے دریافت کیا۔

''کون؟'' یہ کہتے کہتے اس آدمی کے چہرے پر پھر مردنی ابھر آئی۔ ''وہ...وہ آدمی نہیں تھا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اپنے ایک ہاتھ سے اپنا گلا سہلانے لگا۔

''آدمی نہیں تھا...وہ...اف، کیسے بتاؤں۔ کس قدر خوفناک تھا۔'' وہ خوف زدہ لہجے میں بتانے لگا۔

''آخر کیا بلا تھی پھر وہ؟'' ڈیسوزا جھنجلا اٹھا۔

''وہ بھوت تھا...مردہ تھا۔ اس کے سر اور ہڈیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کی آنکھیں ...'' یہ کہتے کہتے اسے جھرجھری سی آ گئی۔ ''اس کی آنکھیں بہت خوف ناک اور چمک دار تھیں اور ماتھے کے نیچے سیاہ گہرے گڑھوں سے جھانک رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ، جن سے اس نے میرا گلا تھاما تھا، وہ بہت سخت تھے، مگر صرف ہڈیاں۔ اوہ خدا...خدا جانے وہ کس کی روح تھی۔'' یہ کہتے ہوئے اس کا گلا بیٹھ گیا۔

''میرے خیال میں انھیں خواب میں چلنے کی بیماری ہے۔'' ہیڈ کانسٹیبل نے اپنی رائے دی۔

Akram Allahabadi

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔آپ یقین مانیے، میں سچ کہہ رہا ہوں۔میں اپنے کام سے واپس آ رہا تھا کہ اس گلی میں گھومتے ہی اس نے میری گردن تھام لی، اگر میں چیخ نہ مارتا اور کسی کے دوڑتے قدموں کی آواز نہ سنائی دیتی تو شاید...شاید میں...'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''عجیب بات ہے۔'' ڈیسوزا نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔''خیر، اب تم پولیس اسٹیشن چلو، وہاں سے تمہیں پولیس کی حفاظت میں تمہارے گھر پہنچا دیا جائے گا۔اور ہاں، ایسے حالات میں زیادہ رات گئے باہر نکلنا چھوڑ دو۔'' ڈیسوزا نے اسے ہدایت کی۔وہ امید و یاس کی کیفیتیں چہرے پر لیے اٹھ کھڑا ہوا اور ڈیسوزا کی جیپ کار میں بیٹھ گیا۔

''تلاش جاری ہے، لیکن ابھی تک اس کا کوئی پتا نہیں۔'' ہیڈ کانسٹیبل نے کار کے قریب آ کر کہا۔

''جو کچھ یہ آدمی بتا رہا ہے، اگر اسے تسلیم کیا جائے تو تلاش بے سود ہو گی۔بہر حال کوشش کرو۔میں پولیس اسٹیشن جا رہا ہوں۔'' ڈیسوزا نے اسے ہدایت کی۔

''بہت خوب۔'' ہیڈ کانسٹیبل نے اٹینشن ہو کر جواب دیا۔اور ڈیسوزا کی کار تارکول کی چکنی سڑک پر پھسلنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

''اس آدمی کی گردن پر کسی قسم کے نشانات تھے؟'' سپرنٹنڈنٹ خان نے انسپکٹر ڈیسوزا سے دریافت کیا۔ڈیسوزا آج سویرے سویرے ہی آ پہنچا تھا۔اس کی آمد خلافِ توقع تھی۔اس لیے خان لباس تبدیل کیے بغیر ہی باہر نکل آیا۔ڈیسوزا کے بشرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے اور پھر صوفے پر اطمینان سے بیٹھنے کے بعد انسپکٹر ڈیسوزا نے رات والے واقعے کی تمام تفصیل سنائی تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''اس آدمی کو کوئی گزند نہیں پہنچا، اس لیے اس کی طرف دھیان نہیں دیا گیا۔''

ڈیسوزا نے بتایا۔

''خیر، تمہیں اس کا پتا تو معلوم ہے نا؟''

''جی ہاں۔''

''تو اسے بھی ایک گھنٹے بعد پولیس ہیڈ کوارٹرز میں بلالو، میں وہیں آرہا ہوں۔'' خان نے ہدایت کی۔

''بہت خوب۔'' ڈیسوزا نے مودب لہجے میں جواب دیا۔

''لو، چائے پیو۔'' خان نے تپائی پر رکھی گئی ٹرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ غلام رسول ابھی چائے لا کر سامنے رکھ گیا تھا۔ بالے خلاف توقع آج صبح ۸ بجے تک سو رہا تھا اور خان نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہ دی تھی۔ ڈیسوزا ماتحت افسر ہونے کے باوجود سپرنٹنڈنٹ خان سے جس قدر عقیدت رکھتا تھا، اتنا ہی بے تکلف بھی تھا۔ اور خان بھی اسے شروع سے ہی دوسروں ماتحت افسروں کی بہ نسبت زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ ڈیسوزا کو وہ اس زمانے سے جانتا تھا جب ڈیسوزا پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ایک کلرک تھا اور خود انسپکٹر خان اس وقت سب انسپکٹر تھا۔ تب ہی سے وہ ایک دوسرے کے دوست ہو گئے تھے، لیکن بعد میں حضور احمد خان اپنے حسنِ کارکردگی سے ترقی کرتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر پہنچ گیا اور ڈیسوزا نے بھی کلرک کی زندگی کو خیرباد کہہ کر سب انسپکٹری کی امیدواری میں شرکت کر لی۔ نتیجہ کامیاب رہا، کیوں کہ ڈیسوزا خود بھی بہترین صلاحیتوں کا مالک تھا۔ البتہ اسے ابھرنے کا موقع ابھی تک نہ ملا تھا۔ بہرحال یہاں سے اس نے بتدریج آگے بڑھنا شروع کیا اور آج وہ پولیس کے حلقوں میں کافی پسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس وقت وہ سی آئی ڈی برانچ میں سپرنٹنڈنٹ خان اور انسپکٹر فیض کے بعد تیسرا اہم صلاحیت پولیس افسر مانا جاتا تھا۔ ویسے سارجنٹ بالے بھی شیطان کی طرح مشہور تھا، لیکن اس کا تذکرہ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ خان کے ساتھ ہوتا تھا۔ ابھی تک اس نے کوئی ایسا انفرادی کارنامہ نہیں کیا تھا جس کا صلہ صرف اسی کو ملتا۔ ویسے نصف سے زیادہ

سراغ رساں بن چکا تھا اور اگر اسے ہر خوب صورت لڑکی پر مر مٹنے کا مرض نہ لاحق ہوتا تو اب تک وہ بہت کچھ ترقی کر چکا ہوتا۔

ڈیسوزا کے جانے کے بعد خان ٹہلتا ہوا بالے کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اس وقت صبح کی خنکی سے سکڑ کر مسہری پر پڑا سو رہا تھا اور کمبل پلنگ سے پھسل کر فرش پر گر گیا تھا۔

''بالے۔'' خان نے آواز دی، لیکن وہ گھوڑے بیچ کر سویا تھا۔

''غلام رسول، ایک جگ پانی لاؤ۔'' خان نے نوکر کو پکارا۔

''غلام رسول، ایک کپ میں چائے لاؤ۔'' بالے سر اونچا کر کے چلایا۔

''اوہ، تو آپ اب تک بیڈ ٹی کا انتظار کر رہے تھے؟''

''میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا، بڑا لذیز ہوتا ہے۔'' بالے مسہری سے نیچا تر کر گون پہنتے ہوئے بولا۔

''تم دن بدن کاہل ہوتے جا رہے ہو۔''

''آپ کی دعا سے اپنی سات پیڑھی میں سب شاہی خاندان کے لوگ گزرے ہیں۔''

''ایک تم ہی اتفاق سے بھنگی رہ گئے۔''

''انسلٹ، صبح صبح کیا غیر خوبصورت الفاظ فرما رہے ہیں آپ۔''

''انسلٹ کے بچے، تمہیں معلوم ہے کیا اندھیر مچ رہا ہے شہر میں؟''

''پاور ہاؤس فیل ہو گیا ہوگا۔''

''سلازار پھر سے زندہ ہو گیا ہے، برخوردار۔'' خان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے دبی زبان سے کہا۔

''سلازار؟'' بالے زور سے اچھل پڑا۔ اسکی آنکھیں حیرت سے پھیلی رہ گئیں۔

''آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ 'زندہ لاش' والے کیس میں تو دلائی لامہ کی روح مردہ

جسموں میں داخل ہوتی پھرتی تھی، اب یہ کس کی روح ہے؟''

''سائنٹیفک طریقوں سے اس نے اپنے لیے نہ ختم ہونے والی زندگی حاصل کر لی تھی۔ ممکن ہے ہمیں اس کی موت کا مغالطہ ہوا ہو۔'' خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''یہ منطق اپنے پلے تو پڑی نہیں۔''

''انسٹی ٹیوٹ میں اس کے سینے کے حصے کا حرکت میں آجانا، اس کی علامت ہے کہ اس میں زندگی کے آثار ختم نہ ہوئے تھے بلکہ کسی شدید جھٹکے اس ان کی حرکت رک گئی تھی۔''

''لیکن اس کا ڈھانچا تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا؟''

''اس کی ہڈیاں اور ان میں لپٹی ہوئی موٹی مخصوص رگیں صرف نہ ہونے والے خون کے مستقل دوران کی حامل تھیں۔ یہی شبہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے اس کے تمام اعضا کسی طرح یکجا کر کے پھر سے ایک دوسرے سے پیوست کر دیے ہوں۔ اس کے بغیر تو اس کا زندہ ہونا ناممکن ہے۔'' خان چھت کو گھورتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔

''اگر یہ ممکن ہے تو یقیناً کوئی بڑے ماہر سائنس دان ہی کا یہ کام ہو سکتا ہے۔''

''اسی تحقیق میں تو میں چار دن سے مصروف ہوں۔ بہرحال وہ جو کوئی بھی ہے، ہمارے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا۔''

''آپ کو کسی پر شبہ ہے؟''

''انسٹی ٹیوٹ کے ان ڈاکٹروں میں سے کوئی ہو سکتا ہے جس کے سپرد سلازار کے چیسٹ کیس میں ابدیت کے سائنسی اثرات کی تحقیق کا کام دیا گیا تھا۔''

''کیا وہ آٹھوں؟''

''جس وقت سلازار کے چیسٹ کیس میں دھڑکن پیدا ہوئی تھی تو بعض ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اس کی جھلی کا آپریشن کر کے دیکھا جائے، لیکن...''

''لیکن کیا؟''

''ڈاکٹر نارمن نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔اس نے انھیں پرسکون ہونے تک انتظار کرنے کا مشورہ دیا اور اسی رات وہ چیسٹ کیس غائب ہوگیا۔''

''تو یعنی کہ ڈاکٹر نارمن؟''بالے نے کہنا چاہا۔

''ایسا کہنے کے لیے محض شبہات ہیں،ثبوت تو نہیں ہیں؟''خان نے اس کی بات کاٹ دی۔''تولہ بھر ریڈیم سرکاری سائنٹیفک ریسرچ لیبو ریٹری سے انسٹی ٹیوٹ کے بورڈ آف ڈائرکٹر نے منگوایا تھا اور انسٹی ٹیوٹ کے ریکارڈ کے مطابق اسے بعض ریڈیو آپریشن تجربات کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔''

''ان تجربات کی تحقیق تو کی ہوگی آپ نے؟''

''نہیں۔ایسے تجربات اعلیٰ پیمانے کے سرکاری خفیہ رازوں سے وابستہ رہتے ہیں اور مرکزی حکومت کی اجازت کے بغیر اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔میں نے پولیس کمشنر کی معرفت اجازت طلب کرائی ہے۔''

''تو گویا ریڈیم نا رچ...؟''

''ابھی تمھیں اس سلسلے میں اپنا منہ بند رکھنا ہوگا۔ہمیں اس وقت سب سے پہلے سلازار کا سراغ لگانے کی ضرورت ہے۔یہ وہ بلا ہے جس پر قابو حاصل کرنے میں پسینے آجائیں گے۔''

''وہ تو پہلے ہی آچکے ہیں۔''

''اب وہ ممکن ہے پہلے سے بھی زیادہ خونخوار ثابت ہو؟''

''ناممکن تو نہیں،لیکن سلازار کی اصل ضد خوبصورت عورت کے خلاف تھی۔وہ اپنے نفسیاتی جنون میں مبتلا ہو کر صرف خوبصورت لڑکیوں کو ہلاک کر دیتا تھا۔''

''اور اس بار وہ صرف مردوں پر ہاتھ صاف کر رہا ہے۔''بالے نے لقمہ دیا۔

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ کوئی سلازار کا بھیس بدل کر پولیس کو مغالطے میں رکھنا یا

دہشت زدہ کرنا چاہتا ہو؟'' خان نے خود ہی اپنے الفاظ کی تردید کر دی۔

''یہ بھی ممکن ہے، وہ بھی ممکن ہے۔ تو پھر آخر یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟'' بالے نے گردن کو دونوں طرف جھٹکتے ہوئے پوچھا۔

''خاموشی سے دیکھتے جاؤ، بیٹے۔ بعض اوقات جلد بازی نقصان بھی پہنچا دیتی ہے۔'' خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ بالے بھی کمرے سے باہر نکل آیا اور ذرا سی دیر میں منہ ہاتھ دھو کر ناشتے کی میز پر جا بیٹھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

جس وقت وہ دونوں بنگلے سے نکلے تو نو بج چکے تھے۔ اپنی لمبی سیاہ کار خان خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ شہر کی مختلف سڑکوں کو عبور کرتی ہوئی ان کی کار جب پولیس ہیڈ کوارٹرز کے اندر داخل ہوئی تو انسپکٹر ڈیسوزا یہاں منتظر تھا۔

''وہ آدمی آ گیا ہے؟''

''جی ہاں، آفس میں موجود ہے۔''

''تم اسے پروجیکشن روم میں لے آؤ۔'' یہ کہہ کر خان تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بڑے ہال کو عبور کر کے انویسٹی گیشن روم میں داخل ہو گیا۔ بالے خاموشی سے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے ایک میز پر بیٹھتے ہی کال بیل بجا دی۔ فوراً ہی ایک ہیڈ کانسٹیبل سامنے آ موجود ہوا۔ وہ سلام کر کے اٹینشن کھڑا ہو گیا۔

''سارجنٹ اسرار سے کہو ریکارڈ روم سے سلازار کی فلم کی کاپی لے کر فوراً آ جائیں۔ اور ہاں، پروجیکشن روم کے آپریٹر کو بھیج دو۔'' خان نے حکم دیا۔ اور ہیڈ کانسٹیبل پھر ایڑیاں بجا کر باہر نکل گیا۔

اس کے چند منٹ کے بعد وہ چاروں طرف سے بند تاریک پروجیکشن روم میں

آرام دہ نشستوں پر بیٹھتے ہوئے سامنے کے چھوٹے سفید پردے پر سلازار کی وہ فلم دیکھ رہے تھے، جو سپرنٹنڈنٹ خان، گوائی ڈاکٹر سے حاصل کر کے لایا تھا اور جس کی ایک کاپی اس نے پولیس ہیڈ کوارٹرز کے ریکارڈ آفس میں محفوظ کرادی تھی۔ اس فلم میں ابدیت حاصل کرنے کے سائنسی تجربے کے فوراً بعد سلازار کی تبدیل ہیت اور اس کے بعد کی کیفیتوں کو دکھایا گیا تھا۔ جیسے ہی سلازار پردے پر اپنی آخری اور بھیانک شکل میں ہڈیوں کے ایک زندہ ڈھانچے کی طرح ظاہر ہوا، پروجیکشن روم میں ایک خوف زدہ چیخ گونج اٹھی۔ خان نے اشارہ کیا اور فلم روک کر بجلی کا سوئچ آن کر دیا گیا۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ آگے والی سیٹ پر وہ آدمی بیٹھا ہوا تھا جس پر رات کو حملہ کیا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔ وہ کافی دیر بعد اپنے حواس میں آیا۔

''وہی تھا۔ وہی خوف ناک سایہ، بالکل ویسی ہی شکل تھی اس کی۔ اسی طرح چمک رہی تھیں اس کی آنکھیں، گڑھوں میں۔'' وہ تقریباً چیختے ہوئے انداز میں بڑبڑایا۔

سپرنٹنڈنٹ خان نے انسپکٹر ڈیسوزا کو اشارہ کیا اور ڈیسوزا اس آدمی کو اپنے ساتھ لے کر باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد سپرنٹنڈنٹ خان بھی باہر نکل آیا۔ وہ آدمی انویسٹی گیشن روم میں ایک کرسی پر نڈھال سا نیم دراز تھا۔ خان اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا۔ بالے نے اشارہ پا کر کمرے کی پچھلی بڑی کھڑکی کے پردے اٹھا دیے اور خان غور سے اس کی گردن کو دیکھنے لگا۔ وہ شاید گلا دبائے جانے سے پڑنے والے انگلیوں کے نشانات دیکھ رہا تھا، لیکن اب وہ نشانات مٹ چکے تھے۔

آفس میں کچھ ضروری کاغذات دیکھنے اور ڈیسوزا کو کچھ ضروری ہدایتیں دینے کے بعد خان بالے کو وہیں چھوڑ کر خود آئی جی سے ملنے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بندروں کا پارسل

''ہیلو، سویٹ۔'' بالے خلاف توقع پیگی کو وردنا جھیل کے کنارے سیمنٹ کے چبوترے پر موجود دیکھ کر بظاہر چونکتے ہوئے بولا۔ شیلا پیگی اسے یہاں دیکھ کر کچھ گھبرا سی گئی، لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گئی اور لبوں پر مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے وہ خاموشی سے اس کی صورت دیکھنے لگی۔ ایک ادائے محبوبانہ کے ساتھ وہ فولاد کے پائپ سے بنائی گئی فینسنگ سے ٹکی کھڑی تھی۔

''تمہارا وہ الوکا پٹھا نہیں آیا تمہارے ساتھ؟'' بالے نے بے تکلفی سے دریافت کیا۔

''وہ تمہیں تلاش کرتا پھر رہا ہوگا۔'' پیگی نے ہنس کر جواب دیا۔

''بھلا کیوں؟'' بالے نے معصوم صورت بنا کر پوچھا۔

''کہتا تھا میں اس عاشق ناشاد کی ہڈیوں کا سرمہ بنا کر آنکھوں میں لگاؤں گا۔''

''اوہو، تب تو مجھے تم سے ضرور عشق کرنا پڑے گا، ڈارلنگ۔'' بالے نے جواب دیا۔

''تمہارا تعلق کہیں پولیس سے تو نہیں؟''

''پولیس؟'' بالے اچھل پڑا۔ ''کون پولیس؟ میں تو پولیس والوں کے ساتھ پیڑھی سے خاندانی دشمن چلا آ رہا ہوں، تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میری جان۔'' بالے نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''افوہ، کس قدر بھونڈا بازاری لفظ استعمال کیا ہے تم نے۔'' وہ شستہ الفاظ میں بولی۔

''اپنی سوسائٹی ہی ایسی ہے، پھر کیا کریں؟''

''ہوٹل کا منیجر کہتا تھا تم ضرور پولیس کے آدمی ہو۔''

''بکتا تھا، سالا۔ رتوندآتی ہوگی اسے دن میں۔ میں تو دہلی کی جامع مسجد کے نیچے

پولیس والوں کا اچار بنا کر بیچا کرتا تھا۔گردش قسمت نے یہاں تمہارے عشق کے چکر میں لا ڈالا۔"

"آدمی دلچسپ ہو۔"

"تم نے دل چپکا کر دیکھا ہی کہاں ہے۔"

"اگر وہ یہاں آگیا تو تمہارا بھرتہ بنا دے گا۔"

"اور میں اس کا آملیٹ بنا دوں گا۔"

"اتنے بہادر تو نہیں ہو۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری، ورنہ میں رستم بن گہسم بن سہراب کے خاندان کا ایک سوا ایک سواں فرزند...آئی ایم ساری، چشمِ چراغ ہوں۔"

"نورِ چشم کہتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"پیگی کے موتیوں جیسے دانت چمکنے لگے۔

"ڈارلنگ، تم نے آج کچھ پی تو نہیں لی ہے؟"

"مجھے تو تم پئے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ارے دیکھو، وہ آرہا ہے۔تم یہاں سے چلے جاؤ اس وقت۔"وہ بات کرتے کرتے گھبرا گئی۔

"ارے واہ، تم نے کیا چوہے کا بچہ سمجھا ہے مجھے؟ آنے دو سالے کو۔"

"پلیز، ڈیئر، میری خاطر۔میں چاہتی ہوں کہ تم زندہ رہو۔"وہ اس کی خوشامد کرنے لگی۔

"لیکن میں تو آج فنا فی العشق ہو کر ہی رہوں گا۔"بالے وہیں جم گیا۔

"خدا کے لیے، چلے جاؤ۔"وہ گڑگڑائی، لیکن بالے ٹس سے مس نہ ہوا۔

اس عرصے میں درمیانی پختہ سڑک پار کر کے آنے والا قریب آگیا۔وہی گٹھیلے بدن کا تندرست آدمی تھا جسے ہوٹل میں بالے دیکھ چکا تھا۔وہ دور ہی سے بالے کو خشمگیں نظروں سے گھورنے لگا تھا۔پیگی آگے بڑھ کر اس کے نزدیک پہنچ گئی۔

''تم نے پھر اس سے گفتگو کی۔'' وہ بھاری آواز میں پیگی سے بولا۔

''میں تمہاری راہ دیکھ رہی تھی، وہ خود پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔''

''میں آج اس کا دماغ ہی درست کر دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ پیگی کو ایک طرف ہٹاتا ہوا بالے کے نزدیک آ گیا۔

''ساونت۔'' پیگی پیچھے سے چیخی۔

''اوہ، تو آپ ساون ہیں۔ مجھ سے ملئے مجھے بھادوں کہتے ہیں۔'' بالے نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

''یوفول۔'' ساونت کا گھونسا ہوا میں بلند ہوا، لیکن اس سے قبل بالے کا گھونسا اس کی کنپٹی پر اس زور سے پڑا کہ 'اوغ' کی آواز کے ساتھ وہ زمین پر آ رہا۔ بالے جھپٹ کر پھر اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور دو چار گھونسے اور رسید کر دیے۔ لیکن جسامت میں وہ بالے سے کہیں زیادہ اور طاقتور تھا۔ اس نے ایک بار زور لگا کر بالے کو پیچھے اچھال دیا اور دوسرے ہی لمحے اس کے مضبوط گھونسے سے بالے کو دن میں تارے نظر آ گئے۔ ایک اور گھونسا پڑتا تو شاید بالے زمین پر آ رہتا، لیکن عین موقع پر ایک پولیس سارجنٹ آ پہنچا اور اس نے ساونت کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ لوگ خاصے مہذب ہو کر لڑ رہے ہیں؟'' سارجنٹ نے کہا۔

''یہ بدمعاش میری بیوی کو چھیڑ رہا تھا۔'' ساونت نے سارجنٹ سے کہا۔

''نہیں نہیں، یہ خود...'' بالے نے کہنا چاہا تھا کہ ساونت پھر اس پر گھونسا تان کر دوڑ پڑا اور دوبارہ سارجنٹ کو اس کا ہاتھ تھامنا پڑا۔

''کیا یہ سچ ہے؟'' سارجنٹ نے پیگی سے یہی سوال کیا۔ پیگی نے کچھ عجیب سی نظروں سے ایک بار بالے کی طرف اور پھر ساونت کی طرف دیکھا اور خاموشی سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''اے، تم پولیس اسٹیشن چلو میرے ساتھ۔'' سارجنٹ نے بالے کا کالر تھام لیا۔

Akram Allahabadi

''ارے چھوڑ بھائی، گلا کیوں گھونٹتا ہے۔'' بالے بڑبڑایا، لیکن پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہ اس کے ساتھ ہو گیا۔

''او ہاتھی کے دانت کی اولاد، میں تجھ سے پھر سمجھ لوں گا۔'' اس نے چلتے چلتے ایک بار پلٹ کر پھر ساونت کو للکارا۔

''اے، سیدھے سیدھے چلو، ورنہ۔'' سارجنٹ نے پھر اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھٹکا دیا۔ پیگی اور ساونت وہیں کھڑے رہ گئے۔ اور بالے سارجنٹ کے ساتھ چبوترے سے اتر کر سڑک کو عبور کرتا ہوا اس کی جیپ کار تک چلا آیا۔ سارجنٹ نے اسے اندر دھکیل دیا اور خود کار ڈرائیو کرنے لگا۔

''اے بھائی پولیس کے نیک آدمی، تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟'' اس نے سارجنٹ سے پوچھا۔

''جہنم میں۔''

''مگر وہ تو بہت دور ہے۔ یہ اپنی دردناک ہی کیا بری تھی۔''

''چپ رہو۔'' سارجنٹ نے اسے ڈانٹا۔

''ہے ہے، اتنا سہانا موسم، رومانی مقام اور تم؟ تم یار کیسے اخروٹ ہو۔'' بالے نے آخری الفاظ اس کی طرف جھک کر کہے۔

''تمہارا کوئی اسکرو ڈھیلا تو نہیں ہے؟'' سارجنٹ اس کی طرف دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اب کہاں ہے دوست۔ وہ تو انڈین آٹو موبائل ورکشاپ میں کس دیا گیا تھا۔''

''اب چپ بیٹھو، ورنہ تمہارے ساتھ مجھے برا سلوک کرنا پڑے گا۔''

''ہائے ظالم، تو کتنا جفا جو ہے، ہم کتنے وفا پرور۔ ہم جان سے جاتے ہیں، تو آنکھ دکھاتا ہے۔'' بالے نے سرد سانس کھینچ کر کہا۔

''ابے او شاعر کی دم، چپ بیٹھے گا یا نہیں؟''

''نہیں بیٹھوں گا۔ چپ بیٹھنا کون سی تعزیرات ہند میں ہے؟''

''عجیب الو ہے۔'' سارجنٹ ہنس پڑا۔

''اچھا، اب گاڑی روک لیجیے، ہم کافی دور نکل آئے ہیں۔'' بالے نے یکلخت سنجیدگی اختیار کرلی۔

''کیا مطلب؟'' سارجنٹ عجیب سی نظروں سے اس کی صورت دیکھتے ہوئے بولا۔ جس کے جواب میں بالے نے جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اس کے سامنے کردیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔ ''ارے آپ۔'' اس نے فوراً گاڑی کو بریک لگا دیا۔

''ہاں۔ وہ آدمی مشتبہ ہے۔ میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔'' بالے نے جواب دیا۔

''مجھے کیا معلوم تھا۔'' سارجنٹ نے معذرت چاہی۔

''آپ نے اچھا ہی کیا۔ یہ بہترین طریقہ تھا اس وقت اس کے سامنے سے ہٹنے کا۔'' بالے نے اترتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا میں کوئی مدد کرسکتا ہوں؟'' سارجنٹ نے پوچھا۔

''سر دست تو اکیلا ہی کافی ہوں، ضرورت پڑی تو اطلاع کردوں گا۔'' بالے نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''میرا نام ہیرا سنگھ ہے۔''

''جانتا ہوں۔'' بالے مسکرایا۔

''آپ ہیڈ کوارٹرز والے نہ جانیں گے تو کون جانے گا۔'' ہیرا سنگھ نے ہنس کر جواب دیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اپنی جیپ گاڑی آگے بڑھا دی۔ بالے کچھ دیر وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا، پھر سڑک سے نیچے اتر کر ڈھلوان کے راستے وہ پیچھے کی طرف روانہ ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

''عجیب حرکت ہے۔'' بالے صبح کا اخبار سپرنٹنڈنٹ خان کے سامنے رکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

''شاید تم بندروں والی خبر پڑھ کر کہہ رہے ہو؟'' خان مسکرایا۔

''آپ بہت سمجھ دار واقع ہوئے ہیں، لیکن یہ گودی سے بندروں کا پارسل کیوں غائب ہوگیا؟'' بالے نے پوچھا۔

''بندر ہی آکر غائب کر گئے ہوں گے، بے چارے آسٹریلیا بھیجے جا رہے تھے۔ ہم قوموں کی ہمدردی کون نہیں کرتا۔''

''آپ سنجیدہ نہیں ہیں۔'' بالے بول پڑا۔

''میں قطعی سنجیدہ ہوں، بیٹے، لیکن تم بندروں کے چکر میں نہ پڑو، ممکن ہے کسی کاروباری رقابت کا نتیجہ ہو۔''

''تو کیا یہاں بیٹھ کر مکھیاں ماروں؟'' بالے نے جھنجلا کر کہا۔

''مجھ سے چھپانے کی ضرورت نہیں کہ تم پیگی کے رشتے سے اپنی رقیبِ روسیاہ کا پیچھا کر رہے ہو۔''

''خدا آپ سے سمجھے، آپ جامِ جہاں نما تو نہیں ہیں؟''

''سراغ رساں روشن ضمیر ہوتے ہیں، برخوردار۔''

''تو بندہ روشن ضمیر واقع ہوا ہے۔''

''بے تکی۔''

''سی آئی ڈی والے مجذوب کا درجہ رکھتے ہیں۔''

''خیر تم اپنا کام کرو۔'' یہ کہہ کر خان اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر لان میں اس کی کار تیار کھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ کر روانہ ہوگیا اور بالے سنجیدگی سے سوچتا رہ گیا کہ آخر سپرنٹنڈنٹ خان

Akram Allahabadi

ان دنوں اسے نظر انداز کیوں کر رہا ہے۔اس احساس کے ساتھ اسکے دل ودماغ پر ایک ہلکی سی اداسی چھا گئی۔لیکن پھر بھی خود ہی اپنے دل کو یہ تسکین دے کر شاید اس میں بھی کوئی مصلحت ہو، وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆

خان کی کارگودی کے پارسل آفس کے باہر کھڑی تھی اور وہ اندر کنسائنمنٹ کلرک سے گفتگو کر رہا تھا۔

''یہ بندر کہاں سے بھیجے گئے تھے؟''

''متھرا سے آئے تھے۔ریلوے کی طرف سے انھیں گودی پہنچا دیا گیا تھا۔'' کلرک نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

''کس وقت غائب ہوئے ہیں؟''

''کل شام کو گڈی شیڈ میں ان کا پنجرہ رکھا گیا تھا،صبح وہ غائب تھا۔''

''رات کو کیا یہاں چوکیدار نہیں رہتے؟''

''جی رہتے ضرور ہیں،لیکن ان میں کا ایک چوکیدار بھی غائب ہے۔''

''کیا نام ہے اس کا؟''

''گل محمد خان۔''

''ہم...شیڈ کی اچھی طرح تلاشی لے لی گئی ہے؟''

''پورٹ ٹرسٹ کی پولیس نے تلاشی لی تھی،لیکن کوئی خاص نہیں۔وہ صرف اسی پنجرے کو ڈھونڈ رہے تھے۔''

''اس میں کتنے بندر تھے؟''

''آٹھ۔''

''کہاں بھیجے جا رہے تھے؟''

''ملبورن کے سرجیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو۔''

''ہُم۔'' یہ کہہ کر خان ٹہلتا ہوا دفتر سے باہر آ گیا۔ پھر وہ شیڈ میں داخل ہو کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔ لیکن یہاں کوئی قابلِ غور چیز نہ ملی۔ نہ جانے کیوں وہ ادھر نکل آیا تھا، ورنہ وہ بالعموم کسی غیر پراسرار کیس میں ہاتھ نہ ڈالتا تھا اور یہ معاملہ تو اتنی معمولی نوعیت کا تھا کہ اس پر غور کرنے کی زیادہ ضرورت نہ تھی۔ شاید اسی وجہ سے اس نے صرف کلرک سے ہی چند سوالات کیے۔ شیڈ سے باہر نکل کر وہ گودی کے پلیٹ فارم کو عبور کرتا ہوا واپس لوٹ ہی رہا تھا کہ ایک پٹھان چوکیدار کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ چوکیدار اپنے ایک ساتھی کو بلا رہا تھا۔

''اوئے خلیل خاناں، ادر آ ذری۔ یہ گل محمد خاں پٹ میں پڑا ہے۔''

اس کی آواز سن کر ایک دوسرا چوکیدار دوڑ پڑا۔ گل محمد کا نام سن کر سپرنٹنڈنٹ خان بھی پلٹ پڑا۔ وہ سب پلیٹ فارم کے سرے پر شیڈ کے نزدیک کے ایک پٹ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ڈھلوان پر ایک گڑھا تھا، جس میں شاید گودام کی فضولیات پھینک دی جاتی تھیں۔ ایک چیڑ کے بڑے بکس کی آڑ میں یہاں ایک پٹھان چوکیدار اوندھا پڑا تھا۔ ان دونوں نے مل کر اسے اوپر اٹھا لیا۔ ان میں سے ایک اس کی نبض دیکھنے لگا۔

''ابھی حیات ہے، حیات ہے۔'' اس نے کہا۔ اور پھر وہ اسے ہاتھ پیروں سے تھام کر پلیٹ فارم پر لے آئے۔ سپرنٹنڈنٹ خان ان کے نزدیک آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی وہ دونوں سٹ پٹا کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

''صاحب... یہ...'' ایک نے گھبراہٹ میں کہنا چاہا۔

''بے ہوش معلوم دیتا ہے۔'' خان نے خود ہی مسکرا کر کہہ دیا۔ ''لو، یہ سنگھا دو اسے۔'' خان نے جیب سے ایک سفید شیشی اس کو نکال کر دی۔ اسے کھول کر سنگھاتے ہی چوکیدار نے ایک جھرجھری سی لی اور آنکھیں کھول دیں، مگر وہ کسی قدر خوفزدہ انداز میں ادھر ادھر

دیدے گھمانے لگا۔

''اوئے گل محمد خان، اٹھو ئی۔''خلیل خان نے آواز دی۔

''یا خدا، کتنا تاریک رات ہے۔''وہ بڑبڑایا۔

''اوئے، یہ رات وات نہیں، دن کا دس بجا ہے، دن کا۔''خلیل خان نے اپنی دانست میں اسے جھاڑ سنائی۔

''دن کا دس؟'' گل محمد خان اچھل پڑا۔''مگر ہم کو کچھ نظر نہیں آتا، واللہ۔اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔''اس نے ہاتھوں سے اپنے ساتھیوں کو ٹٹولنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ دونوں خان ایک دوسرے کی حیرت سے صورت دیکھنے لگے۔

''یہ اندھا ہو گیا ہے۔''سپرنٹنڈنٹ خان نے خود گل محمد کے نزدیک ہوتے ہوئے کہا۔

''اندھا؟'' گل محمد چیخا۔''یا خدا، رحم۔یا الرحم الراحمین۔''

''تم اس گڑھے میں کیسے گر پڑے تھے؟''سپرنٹنڈنٹ خان نے پوچھا۔

''گڑھے میں؟ کیسے گڑھے میں؟ ام تو گودام میں ڈیوٹی دیتا تھا۔''

''رات کوئی واقعہ ہوا تھا؟''

''اوہاں۔کل آدھی رات کو دو آدمی کالا کالا کپڑا پہن کر اندر آیا تھا۔ہم نے اس کو ٹوکا تو...واللہ وہ چمک...ہاں، ہمارا آنکھ پر اس کا کچھ روشنی ایسا پڑا جیسا بجلی کوندتا ہے اور...اور بخدا پھر ہم کو کچھ خبر نہیں۔''

''خیر، انھیں اسپتال پہنچا دو۔''خان یہ کہہ کر پلٹ پڑا۔اور گل محمد خان اپنے اندھے پن پر شور مچا کر رونے لگا۔اس کے ساتھی اسے تسلی دیتے رہے۔سپرنٹنڈنٹ خان پہلے ہی چوکیدار کے غائب ہونے کا حوالہ خبر میں پڑھ چکا تھا اور اتفاق سے ادھر سے گزرتے وقت اس کا دل چاہا کہ ذرا دیکھتا چلے، لیکن گل محمد خان کو اندھا کر کے بندروں کا پارسل غائب کرنے کی

مجرمانہ نوعیت نے اسے چونکا دیا۔اب اسے اس معاملے پر مختلف نوعیت سے غور کرنا پڑا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام کو وہ پولیس ہیڈ کوارٹرز سے جلد ہی گھر لوٹ آیا۔لیکن بالے اب تک نہ آیا تھا۔ خان کا دماغ اس وقت پریشان سا ہو رہا تھا۔ریڈیم کے تجربات کی تحقیق کے لیے ابھی تک مرکزی حکومت سے اجازت نہیں آئی تھی۔اس درمیان میں وہ ایک بار انسٹی ٹیوٹ والے کیس کی آڑ لے کر ڈاکٹر نارمن اور دوسرے ڈاکٹروں سے بھی مل چکا تھا،لیکن ان میں سے کسی نے اس سے آگے کچھ نہ بتایا جو پہلے ہی منظر عام پر آچکا تھا۔

اب کی بار خان کی تمام تحقیق صیغۂ راز میں چل رہی تھی۔سلازار کے زندہ ہو جانے کے شبے کی بھنک بھی ابھی پریس کے کانوں میں نہیں پڑنے دی گئی تھی تا وقتیکہ خود سپرنٹنڈنٹ خان اس پر تحقیق مکمل کر کے اس کی تصدیق نہ کر دیتا۔جس قدر گمشدگی کے واقعات ہو چکے تھے،ان میں کوئی سنسنی خیز نوعیت نہ تھی۔بعض متعلقہ شہروں کی پولیس سے بھی اپنے یہاں تلاش کی درخواست کی گئی تھی،لیکن ابھی تک ان میں سے ایک کا بھی سراغ نہ ملا تھا۔

شام گزر کر رات ہو گئی،لیکن بالے نہ آیا۔۹ بجے تک اس کا انتظار کرنے کے بعد خان اپنے ریڈنگ روم میں چلا گیا اور الماری کھول کر کتابوں کے پیچھے سے ایک بکس نکال کر کوئی چیز اس بکس سے نکالتے ہوئے جیب میں ڈالی اور الماری کو مقفل کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''غلام رسول،بالے آئے تو اسے سرکٹ ہاؤس پولیس اسٹیشن بھیج دینا۔'' یہ کہہ کر وہ اپنا اوورکوٹ پہنتا ہوا باہر نکل کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بالے کا اغوا

سویرے سویرے اخبار ڈیلی اسٹینڈرڈ نے ایک تہلکہ مچا دیا۔ تازہ ترین خبروں کے کالم میں دو آدمیوں کی پراسرار گمشدگی اور ایک آدمی کی موت کی خبر شائع ہوئی تھی اور جس کی موت واقع ہوئی تھی اسے گلا دبا کر مارا گیا تھا۔ مادھو گنج کی ایک گلی میں اس کی لاش پڑی پائی گئی تھی۔ آنکھیں حلقوں میں سے باہر نکل کر ٹھنس گئی تھیں اور زبان بھی کسی قدر باہر نکل آئی تھی۔ پولیس نے موقع واردات اور آس پاس کے علاقوں کا کونا کونا چھان مارا، شبے میں بہت سے غنڈے گرفتار کر لیے گئے، لیکن ابھی تک کوئی قابلِ اطمینان نتیجہ نہ نکلا تھا۔ ڈیلی اسٹینڈرڈ نے اپنے شذرات کے کالم میں پولیس کو کافی جھاڑ سنائی تھی۔ اس نے اسے بالغوں کے اغوا کی وارداتوں کا ساتواں واقعہ شمار کرتے ہوئے پولیس کی غفلت اور بدانتظامی پر کڑی تنقید کی تھی۔

سپرنٹنڈنٹ خان ابھی اخبار دیکھ کر بیٹھا ہی تھا کہ آئی جی کا فون آ گیا۔

''آخر یہ کیا اندھیر مچ رہا ہے، مسٹر خان؟'' آئی جی نے کہا۔ اس کا لہجہ کسی قدر ترش تھا۔

''آپ کا اشارہ آدمیوں کی گمشدگی کی طرف ہے، لیکن ابھی یہ کیس میرے سپرد نہیں کیے گئے ہیں۔'' خان نے جواب دیا۔

''نہیں کیے گئے ہیں تو اب کیے جاتے ہیں۔ آپ اپنے آدمیوں کو فوراً تحقیق پر لگا دیں۔ اس قسم کے واقعات کو آگے بڑھنے کی مہلت نہیں دی جا سکتی۔ گمشدہ لوگوں کا سراغ جلد از جلد لگانا پڑے گا۔''

''بہتر ہے۔'' خان نے مودب لہجے میں جواب دیا۔ آئی جی نے ادھر سے ریسیور رکھ دیا اور ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

Akram Allahabadi

''اب ڈھیل دینا حماقت ہوگی۔'' خان کرسی سے اٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔ پھر اس نے زور سے بالے کو آواز دی۔

''وہ تو ابھی تک نہیں آئے، صاحب۔'' غلام رسول نے سامنے آکر جواب دیا۔

''نہیں آیا؟'' خان سوچ میں پڑ گیا۔ ''بالے نہیں آیا۔'' وہ بڑبڑایا۔ پھر آپ سے آپ وہ چونک کر لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔ ڈرائیور برآمدے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

''کار نکالو۔'' خان کی آواز سنائی دی۔ اور وہ غنودگی سے چونک کر اسٹول سے نیچے لڑھک گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پولیس اسٹیشن پہنچنے کے بعد خان نے تمام علاقوں کے پولیس پوسٹ اور اسٹیشنوں کو فون کر کے بالے کے بارے میں پوچھا، لیکن ہر جگہ سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔ کچھ بھی ہو، لیکن اس طرح بالے کی گم شدگی باعثِ تشویش ضرور تھی۔ ممکن ہے اسے بھی دوسروں کی طرح اغوا کر لیا گیا ہو۔ خان نے ڈیسوزا سے بھی دریافت کیا، لیکن ڈیسوزا کو بھی علم نہ تھا۔ دیر تک وہ اپنے آفس میں بیٹھا تنہا کچھ سوچتا رہا، پھر اس نے اردلی کو بلا کر سارجنٹ اسرار کو بلا کر لانے کو کہا۔ اسرار اس وقت نیچے موجود تھا، اطلاع پاتے ہی آ پہنچا۔

''اسرار، تم ہوٹل چلے جاؤ اور شیلا پیگی سے کسی طرح بالے کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ کیا طریقہ اختیار کرنا ہوگا، یہ تم خود بہتر سمجھ سکتے ہو۔'' خان نے حکم دیا۔

''بہت خوب۔'' اسرار نے اٹینشن ہو کر کہا۔ اور فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

مسلح بندروں کا جلوس

چند دنوں سے عجیب عجیب واقعات کے سلسلے نے شہر میں چہ میگوئیاں شروع کرادی تھیں۔ پورٹ ٹرسٹ والوں سے بندروں کے پارسل کی گمشدگی کا راز بھی نہ چھپایا جا سکا اور کسی طرح یہ خبر بھی پریس تک پہنچ گئی۔ اخبار والوں نے، 'غضب کا دور' اور 'پولیس کہاں سو رہی ہے'، وغیرہ جیسے عنوانات کے ساتھ تبصرے شروع کر دیئے۔ ڈاکٹر سلازار کے چیسٹ کیس اور ہڈیوں کی گمشدگی کو ابھی تک انتہائی طور پر صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا اور پولیس کمشنر نے خود اخبارات کے ایڈیٹروں سے اس سلسلے میں وعدہ لے لیا تھا کہ جب تک پولیس اس کی پوری تحقیق نہ کر لے اس خبر کو پبلک تک نہ پہنچنے دیا جائے، ورنہ مفت میں دہشت پھیل جائے گی۔ وعدے کے مطابق اخبارات اس سلسلے میں تعاون کر رہے تھے اور ابھی تک کسی نے اس پر کوئی رائے زنی نہیں کی تھی۔

سپرنٹنڈنٹ خان اپنے طور پر بندروں کے پارسل کی گمشدگی کا سراغ لگانے میں مصروف تھا۔ وہ گودی تک رات کی تاریکی میں پہنچنے والے ہر امکانی ذرائع کی تحقیق کر رہا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے آس پاس کے لوگوں سے بھی رات کے وقت گودی کی طرف جاتے دیکھے گئے کسی آدمی یا کاریالاری وغیرہ سے متعلق معلوم کرایا، لیکن کسی کو بھی کچھ علم نہ تھا۔

سارجنٹ اسرار صبح کا گیا رات کو ۲ بجے واپس لوٹا۔ وہ صرف اس قدر معلوم کر سکا کہ ایورگرین ہوٹل میں پیکی کے ساتھ ایک وجیہہ جسم آدمی تھا، جو بشرے سے کافی سنجیدہ، مگر تند خو معلوم ہوتا تھا۔ البتہ ایک بار وہ دونوں ہال کے باہر چھجے پر آ کر کسی نئے شکار کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور اس سلسلے میں اس آدمی نے ایک جملہ ایسا کہا تھا جس کے بالے سے متعلق ہونے کا خیال پیدا ہوتا تھا۔ مرد کہہ رہا تھا، 'مجھے شک ہے، ڈارلنگ، کہ وہ ضرور پولیس کا

آدمی ہے۔

''تو کیا ہوا؟ اب وہ وہاں سے بچ کر نکل بھی تو نہ سکے گا فکر کیسی؟'' پیگی نے کہا۔

اس کے بعد وہ کسی اور موضوع پر گفتگو کرنے لگے اور رات گئے تک یہ آدمی پیگی کے ساتھ اس ہوٹل میں رہا، لیکن سارجنٹ اسرار پیگی کے کیرکٹر کو بھی نہ سمجھ پایا تھا۔ کیوں کہ وہ اس آدمی سے اس قدر قریب ہوتے ہوئے بھی اس کی طرف سے محتاط نظر آتی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ بجے یہ شخص ایور گرین ہوٹل سے باہر نکلا۔ اس وقت نہ جانے کہاں سے ایک گہرے نیلے رنگ کی کار ہوٹل کے عقب میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس آدمی کے باہر نکلتے ہی کار کا دروازہ کھل گیا اور اس کے اندر بیٹھتے ہی کار روانہ ہو گئی۔

''کیا پیگی اس کے ساتھ نہیں گئی؟'' خان نے پوچھا۔

''جی نہیں۔''

''تم نے اس آدمی کا پیچھا کیا ہوتا۔''

''میں چاہتا تو یہی تھا، لیکن جب میں نے ہوٹل کے باہر آ کر ایک نیم کے درخت کی آڑ میں کھڑی ہوئی اپنی موٹر سائیکل اٹھائی تو اس کے دونوں پہیوں کی ہوا غائب تھی۔''

''کافی چالاک لوگ ہیں۔ خیر، اور کچھ معلوم ہوا؟''

''صرف اس قدر اور کہ جب وہ آدمی ہوٹل کے پچھلے دروازے سے باہر نکل رہا تھا، کسی نے کار میں سے کہا تھا، 'کم آن، دیو'۔'' اسرار نے بتایا۔

''دیو۔'' خان ذہن پر زور دینے لگا۔ پھر اس نے جیب سے نوٹ بک نکال کر یہ نام اس میں لکھ لیا۔

''خیر، اب تم جا سکتے ہو۔ کوئی ضرورت پڑی تو فون کر دوں گا۔'' خان نے اسرار کو اجازت دی۔ اور وہ مسکرا کر سلامی دیتا ہوا باہر نکل گیا۔ اور خان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ آج اس کی طبیعت بالے کی گمشدگی کی وجہ سے پریشان تھی۔ اس لیے وہ اپنی کار لے کر شہر کے گشت پر نکل

گیا۔وہ آدھی رات تک مختلف علاقوں میں سڑکوں پر گھومتا پھرا۔اور پھر اس نے دیکھا کہ پہلے کی نسبت ہر علاقے کی گشتی پولیس کافی چست اور بیدار نظر آ رہی تھی۔جو افسر یا سپاہی اسے یا اس کی گاڑی کو پہچانتے تھے، وہ دیکھتے ہی اٹینشن ہونے لگتے اور جو نہ پہچانتے تھے، وہ صرف گھورتے ہی رہ جاتے۔

گشت کے دوران کئی بار اس نے وائرلیس پر بھی مختلف اسٹیشنوں سے بالے کے بارے میں دریافت کیا، لیکن کسی کو اس کا علم نہ تھا۔رات کو دو بجے وہ گھر لوٹا تو کافی تھکا ہوا تھا۔ غلام رسول بے چارہ کھانا رکھے رکھے سو گیا تھا۔خان کے آتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، مگر خان کو اس وقت بھوک نہ تھی۔وہ کپڑے بدل کر سیدھا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

دوسرے دن سویرے جب وہ اٹھا تو غلام رسول نے ناشتا میز پر چن دیا تھا۔وہ منہ دھو کر ناشتے پر بیٹھ گیا۔

''بالے کی کوئی خبر یا فون آیا؟'' اس نے نوکر سے پوچھا۔

''کل سے کچھ بھی نہیں، صاحب۔'' غلام رسول نے جواب دیا۔

''عجیب بات ہے؟'' وہ بڑبڑایا۔لیکن خلافِ امید غلام رسول کو نہ جانے کس بات پر ہنسی آ رہی تھی اور وہ اپنا منہ دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔خان نے دیکھ لیا۔

''کیا بات ہے، غلام رسول؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''صاحب، صاحب، ایک بندر۔'' یہ کہتے کہتے اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''بندر کیا؟'' خان نے پھر سوال کیا۔

''صاحب، میں انڈے لینے صبح بازار گیا تھا تو ایک عجیب سا بندر دیکھا۔''

''اوہ۔'' خان دلچسپی سے سننے لگا۔

''صاحب، وہ آج سویرے سویرے اس طرف نکل آیا ہے۔اس نے ایک تماشا مچا رکھا ہے۔ایسا سکھایا بندر تو میں نے کبھی سرکس میں بھی نہیں دیکھا۔''

''آخر دیکھا کیا تم نے؟''

''صاحب، وہ بڑی تمیز سے آدمیوں کو سلام کرتا ہے، ہاتھ ملاتا ہے، میز پر بیٹھ کر چائے پیتا ہے اور دو پیروں پر ہی چلتا ہے۔ بات کرو تو سب سنتا ہے اور سر ہلا کر جواب دیتا ہے۔ اس کے سارے کام آدمیوں جیسے ہیں۔'' غلام رسول نے اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بتایا۔

''ہے تو دل چسپ خبر۔ کہاں ہے وہ؟''

''سڑکوں پر ٹہلتا پھر رہا ہے۔''

''کوئی مہذب بندر ہوگا۔'' خان نے ہنسی میں ٹال دیا اور ناشتا ختم کرنے لگا۔

تقریباً ۹ بجے وہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر کپڑے بدل کر اپنی کار میں سنٹرل پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

مادھو گنج کے علاقے سے گزر کر جب اس کی کار بوہرہ بازار سے گزر رہی تھی، اسے ایک جگہ بریک مار کر کار روکنی پڑی۔ سامنے لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم تھا۔ وہ نہ جانے کس چیز کو بڑی دلچسپی سے دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔ خان نے اپنی کار ایک طرف کھڑی کر دی اور خود بھی اتر کر اسی بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا وہ لال بندروں کا ایک جلوس تھا جس میں کل پندرہ بندر تھے اور باقاعدہ فوجیوں کی طرح دو دو کی قطار میں سڑک پر دو پیروں سے مارچ کر رہے تھے۔ انھوں نے بالکل فوجیوں کی طرح کی اپنے کندھوں پر بندوقیں لگا رکھی تھیں۔ آگے آگے ایک بندر تھا جو شاید ان سب کی کمانڈ کر رہا تھا۔ لوگ چاروں طرف سے گھیرے انھیں دیکھ رہے تھے۔ اور پبلک انھیں آگے بڑھنے کے لیے کبھی جگہ دیتی اور کبھی جگہ روک دیتی۔ ایک بار جب قہقہے لگاتے ہوئے ہجوم نے ان کا راستہ روک دیا تو آگے والا بندر ان کے قریب آ گیا۔ کچھ بچے اور بعض بزدل آدمی ڈر کر ادھر ادھر بھاگے، لیکن وہ بندر لوگوں کے قریب آ کر اشارے سے ان سے التجا کرنے لگا کہ انھیں راستہ دے دیا جائے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سرکس آیا ہے، اسی نے اپنی پبلسٹی کے لیے یہ بندروں کی فوج نکالی ہے۔'' مجمع میں سے کسی نے قیاس آرائی کی۔

''لیکن یہ تو بالکل آدمیوں جیسی حرکتیں کر رہے ہیں۔'' دوسرا بولا۔

ان میں سے ایک کو مسخرا پن سوجھا تو وہ اس بندر کے قریب پہنچ گیا اور اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو، ڈیئر فرینڈ، ہاؤ آر یو؟''

جواب میں بندر نے اس کی شکل دیکھی اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ دوسرے بندر منہ کھول کر ہنسنے لگے، جس پر اس بندر نے پلٹ کو 'خوں' کی آواز کے ساتھ انھیں ڈانٹا اور وہ اٹینشن ہو گئے۔

''معلوم ہوتا ہے آپ کسی گناہ کے عوض آدمی سے بندر بن گئے ہیں؟'' ایک دوسرے شخص نے اپنی رائے کا اظہار کیا جس پر اس بندر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو بندر سے آدمی بن گئے ہوں گے؟'' وہ آدمی پھر بولا۔ اس پر بندر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

خان بڑی دل چسپی سے یہ حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ خود اسے بھی ان کی بعض حرکتوں پر ہنسی آ گئی۔ مثلاً ایک بندر اپنا کان کھجلانے لگا تھا، لیکن جیسے ہی اس کے کمانڈر نے 'خوں' کر کے اسے ڈانٹا، وہ فوراً ہاتھ ہٹا کر اٹینشن ہو گیا، مگر اس وقت خان ان کے کندھوں پر رکھی ہوئی بندوقوں کو دیکھنے لگا تھا۔ وہ خود اس بندر کے قریب آ گیا اور اس نے اس سے بندوق لینے کو ہاتھ بڑھا دیا، لیکن بندر نے گردن ہلا دی اور انکار کر دیا۔

یہ تماشا دیکھنے کے لیے پبلک کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ سڑک ٹھٹ بھر گئی تھی۔ وہ کمانڈر بندر سامنے کھڑے ہوئے آدمی کو ایک طرف ہٹا کر اپنے ساتھی بندروں کو شاید مارچنگ کا اشارہ کرتے ہوئے پھر آگے چلنے لگا، لیکن اب کی بار کچھ ڈھیٹ قسم کے لوگ سامنے آ گئے تھے، انھوں نے راستہ نہ دیا۔ آگے والے بندر نے کئی طریقوں سے اپنا نقطۂ نظر انھیں سمجھانا

چاہا، لیکن وہ اس کی ہر حرکت پر مزے لے لے کر ہنستے رہے۔

اچانک وہ بندر شاید غصے میں آ گیا۔ اس نے اپنی آواز میں اپنے ساتھی بندروں کو للکارا اور پھر اپنی بندوق کو سیدھی کر کے فائرنگ شروع کر دی۔ دو تین ہی بندوقیں چلی تھیں کہ پبلک اپنے قہقہے بھول کر سر پر پیر رکھ کر بھاگنے لگی اور بندر چاروں طرف گھوم گھوم کر گولیاں چلا رہے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ خان اپنی کار میں گھستے ہی وائرلیس پر سنٹرل پولیس اسٹیشن میں ڈیسوزا کو فون کر دیا کہ فوراً پولیس کا ایک دستہ لے کر آ جاؤ۔ اور پھر وہ کار سے نکل کر پستول ہاتھ میں لئے سامنے آ گیا، مگر یہ دیکھ کر وہ مسکرا دیا کہ بندروں کی بندوقوں میں صرف بارود بھری ہوئی تھی۔ ان کی نال سے صرف شعلہ اور دھواں نکلتا تھا اور زیادہ تر فائرنگ وہ نال کا رخ اوپر کی طرف کر کے کر رہے تھے۔ وہ ایک سنسنی خیز تصور کے ساتھ ساتھ اپنی مسکراہٹ کو بھی نہ روک سکا۔

پبلک تو اس طرح خوف زدہ ہو کر بھاگ گئی۔ دور دور تک سڑک صاف ہو گئی، لیکن سنٹرل پولیس اسٹیشن کی طرف سے فوراً پولیس کا ایک ٹرک اور دو کاریں آ پہنچیں جن میں انسپکٹر ڈیسوزا، ڈی ایس پی بھائی جی اور سب انسپکٹروں کے علاوہ ٹرک میں بائیس مسلح سپاہی تھے۔ سب نے اپنی اپنی بندوقیں اور پستولیں سنبھال لیں۔

''ان کی ضرورت نہ پڑے گی، یہ مہذب بندر مسخرے بھی ہیں۔ انھیں یونہی گرفتار کر لیجیے۔''

''مگر ان کے پاس بندوقیں...؟'' بھائی جی نے کہنا چاہا۔

''ان بندوقوں میں صرف بارود کی پڑیاں بھری ہوئی تھیں۔'' خان ہنس کر بولا۔

لیکن انھیں یہ دیکھ کر حیرت ضرور ہوئی کہ گرفتاری کے وقت کسی بندر نے مزاحمت نہ کی۔ تمام بندروں نے بندوقیں بھی پھینک دیں اور ہاتھ بھی اٹھا دیے۔ اور جب پولیس نے ان کے پیچھے سنگینیں لگائیں تو وہ شریف قیدیوں کی طرح دو پیروں پر چلتے ہوئے پولیس ٹرک تک آ گئے۔ ایک سب انسپکٹر کے اشارے پر وہ اس ٹرک میں چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اور خان، بھائی جی

اور دوسرے لوگ کھڑے کھڑے عجیب نظروں سے ان کی یہ حرکتیں دیکھتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

عام مجرموں کی طرح قاعدے کے مطابق انھیں حوالات میں بند کر دیا گیا تھا۔ وہ کافی سنجیدہ تھے، لیکن کچھ دیر بعد ہی سپرنٹنڈنٹ خان کی ہدایت پر انھیں حوالات کے کئی کمروں میں بانٹ دیا گیا۔ سنٹرل پولیس اسٹیشن کے باہر ان عجیب بندروں کو دیکھنے کے لیے پبلک گروہ در گروہ چلی آرہی تھی اور پولیس کے سپاہی لوگوں سے منتشر ہونے کی درخواستیں کر رہے تھے۔ خود بہت سے پولیس والے بھی موقع پا کر حوالات کے کمروں کی سلاخوں میں جا کر جھانکنے لگے۔ بندر اندر پرسکون بیٹھے تھے، لیکن ایک بار تو ان لوگوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا جب انھوں نے ایک کمرے میں ایک بندر کو سسک کر روتے اور دوسرے کو تسلی دیتے دیکھا۔

ادھر ڈی ایس پی بھائی جی کے آفس میں سپرنٹنڈنٹ خان، بھائی جی اور ڈیسوزا بیٹھے کچھ مشورہ کر رہے تھے۔ تقریباً دس منٹ کے بعد وہ لوگ باہر نکلے تو سب کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

ڈیسوزا نے ایک ہیڈ کانسٹیبل کو اشارے سے بلایا اور اسکے کان میں کچھ کہا۔ کانسٹیبل نے مسکرا کر سر ہلا دیا اور چلا گیا۔

ڈیسوزا کی ہدایت پر دوپہر کے وقت ان بندروں کو جب چنے پہنچائے گئے تو انھوں نے گردنیں ہلا کر انکار کر دیا۔ دوسری بار تجربے کے طور پر انھیں باقاعدہ انسانوں کا کھانا بھیجا گیا تو وہ بڑے اطمینان سے کھانے بیٹھ گئے۔ آج سنٹرل پولیس اسٹیشن خود ایک سرکس معلوم ہو رہا تھا۔ دوسرے علاقوں کے پولیس والے بھی ان عجیب قیدی بندروں کی خبر پا کر انھیں دیکھنے چلے آرہے تھے اور بار بار حوالدار کو ان سے دور ہٹنے کی درخواست کرنی پڑتی۔ ان بندروں کو چار علیحدہ علیحدہ کوٹھریوں میں رکھا گیا تھا دو میں پانچ پانچ تھے، ایک میں تین اور دوسری میں صرف

دو۔دو بندروں والے کمرے پر پولیس کی کوئی خاص نگرانی نہ تھی۔کبھی کبھی ایک آدھ کانسٹیبل اس کے قریب سے ہو کر گزرتا اور اندر بیٹھے ہوئے بندر حیرت سے اس کا منہ تکنے لگتے۔وہ سب خاموش اور اداس تھے۔پولیس نے اپنی حراست میں ان سے زیادہ مہذب قیدی آج تک نہ دیکھے تھے۔شام ہوتے ہوتے اس طرف کسی قدر سناٹا ہو گیا۔یہ کمرہ بالکل سرے پر تھا۔اس کے بعد ایک بڑا سا پتھریلا صحن تھا، جس کے چاروں طرف برآمدہ اور برآمدے میں اکہری کوٹھریاں تھیں جو مستقل ڈیوٹی کے ریزروڈ کانسٹیبلوں کی تھیں۔اور صحن کے دوسرے سرے پر ایک دروازہ تھا جو کوتوالی کے عقب میں ایک چوڑی سڑک پر کھلتا تھا۔یہ دروازہ زیادہ تر کھلا ہی رہتا۔آخری کمرے کے دروازے پر جوتا لالٹین لٹکا ہوا تھا، وہ زیادہ وزنی نہ تھا۔ایک بار اس کا محافظ کمرے کے قریب ہی اسٹول پر آ کر بیٹھ گیا اور جیب سے شاید نسوار کی ڈبیا نکالنے لگا۔بے خیالی میں ڈبیا کے ساتھ تالے کی چابی بھی نکل کر نیچے گر پڑی، لیکن اسے اس کی خبر نہ ہوئی۔اس نے نسوار پھانکی اور پھر اٹھ کر ٹہلتا ہوا آگے کی طرف چلا گیا۔

ان دونوں بندروں کی نظر چابی نیچے گرنے کے وقت سے ہی اس چابی پر لگی ہوئی تھی۔ان میں سے ایک نے فوراً ہاتھ باہر نکال کر وہ چابی اٹھالی اور پھر سلاخوں سے چمٹ کر ایک ہاتھ سے اس نے وہ چابی تالے میں ڈالنے کی کوشش کی، مگر محافظ کے قدموں کی چاپ سن کر جلدی سے اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔محافظ بندوق کندھے پر رکھے کمرے کے سامنے سے گزر گیا اور بندر نے دوبارہ وہی کوشش شروع کر دی، جس میں بالآخر وہ کامیاب ہو گیا اور تالا کھل گیا۔تالے کو بڑی آہستگی سے اتار کر اندر رکھتے ہوئے اس نے کنڈا بھی کھول لیا اور ایک ہاتھ سے سلاخوں دار دروازہ ذرا سا کھول کر باہر جھانکنے لگا۔کوئی اس طرف متوجہ نہ تھا۔چنانچہ آگے پیچھے وہ دونوں دبے قدموں اندر سے نکلے اور پھر آہستگی سے دروازہ بند کرتے ہوئے صحن کو عبور کر کے پچھلے دروازے کی طرف بھاگے۔

ڈیوٹی کا انچارج ہیڈ کانسٹیبل کنکھیوں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔وہ مسکرا کر اٹھ کھڑا

ہوا اور اس نے فوراً لوکل ایکسچینج کا سوئچ دبا کر انسپکٹر ڈیسوزا کو ان کے فرار کی خبر کر دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

آج کے واقعے نے سپرنٹنڈنٹ خان کو ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ سنٹرل پولیس اسٹیشن سے لوٹتے ہوئے سیدھا ریکارڈ آفس پہنچ گیا۔

''خیر تو ہے؟''

''ریکارڈ آفس کے ہیڈ اسسٹنٹ سلازار چیسٹ کیس میں اندھے ہوئے تھے، ان کے ایڈریس نکلوا دیجیے۔'' خان نے کہا۔

''ابھی لیجیے۔'' ایچ اے نے جواب دیا۔ اور پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ وہ اندر سے ایک کاغذ پر ان دونوں کے پتے لکھ کر لے آیا۔

''اور کچھ؟''

''سر دست تو اسی کا شکریہ۔'' خان مسکرایا۔

''آج کل عجیب عجیب واقعات ہو رہے ہیں۔'' ایچ اے نے تبصرہ کیا۔

''دیکھتے جایئے، یہ دنیا عجائب خانہ ہے۔'' خان نے ہیٹ سنبھالتے ہوئے جواب دیا اور پھر ہاتھ ملا کر وہ باہر چلا گیا۔

سب سے پہلے وہ سیٹھی کے پاس پہنچا۔ سیٹھی ایڈمانسٹن روڈ پر ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بینائی میں کافی علاج کے بعد صرف ہلکا سا فرق نمایاں ہوا تھا۔ بہت خفیف، لیکن اب بھی وہ تقریباً اندھا ہی تھا۔ اس نے سیٹھی سے چند سوالات کیے، جن کا جواب تسلی بخش نہ پا کر وہ اسے تسلی دیتا ہوا اس سے رخصت ہو کر آرتھر روڈ پر ارشد کے یہاں جا پہنچا۔ دروازے پر اس کی سیاہ شان دار کار کو رکتے دیکھ کر ارشد کے گھر کے لوگ حیرانی سے اوپر سے جھانکنے لگے۔ ارشد اس وقت گھر ہی میں موجود تھا۔ اس کی بینائی میں کوئی فرق نہیں ہوا تھا۔

Akram Allahabadi

سپرنٹنڈنٹ خان کی خبر سن کر وہ کھڑ بھڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''کہاں ہیں وہ؟ بلاؤ انھیں، جلدی بلاؤ۔''

''میں آپ کے قریب موجود ہوں۔''خان نے نرم لہجے میں کہا۔

''یہ کیا ہوگیا، خان صاحب؟ آخر مجھے اندھا کیوں کر دیا گیا؟ کس بے رحم نے...؟''

''گھبرایئے نہیں، وہ جلدی اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔اور آپ لوگوں کو عنقریب سرکاری طور پر علاج کے لیے امریکہ بھیجنے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔''خان نے بتایا۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔''ارشد نے ممنون لہجے میں کہا۔

''یاد کیجیے، کبھی آپ کے سامنے اپنے لیکچر میں آپ کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے کسی ڈاکٹر نے برین آپریشن کا ذکر کیا تھا؟''خان نے اس سے دریافت کیا۔

''برین آپریشن؟ جی ہاں، اس پر تو کئی بار بحث اور ریسرچ ہوئی ہے۔''

''اس سلسلے کی کوئی خاص بات؟ ذرا ذہن پر زور دے کر سوچیے۔''

''جی۔''وہ سوچ میں پڑ گیا۔''ایسی تو کوئی بات نہیں، البتہ ایک بار ڈاکٹر نارمن نے ...''وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''ہاں ہاں، کیا کہا تھا ڈاکٹر نارمن نے؟''

''کچھ کیا تو نہیں، البتہ کہا تھا کہ وہ اسپیچ آف برین یعنی تبادلہ عقل پر تجربہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ان کی تھیوری تھی کہ اعضائے جسمانی برین کے ہی تابع فرمان ہوتے ہیں۔'' ارشد نے بتایا۔

''اس کے بعد؟''

''اسی کے بعد یہ بات آئی گئی ہوگئی اور پھر کبھی اس پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔''

''خیر کافی ہے۔اچھا اب میں چلتا ہوں۔آپ کے علاج کا انتظام جلد ہی

ہوجائے گا۔'' خان نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے اسے تسلی دی اور پھر اس سے ہاتھ ملا کر بغیر چائے پیئے ہی باہر نکل آیا۔اس وقت رات ہو چکی تھی اور اسے بہت کچھ سوچنا، بہت کچھ کرنا تھا۔

ابھی وہ گھر لوٹتے ہوئے بوہرہ بازار کے راستے میں ہی تھا کہ ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے وائرلیس کمیونیکیشن کا بلب اسپارک کرنے لگا۔

''ہیلو۔''اس نے ماؤتھ پیس نکال کر منہ سے لگالیا۔

''ڈی فریڈا سپیکنگ، ڈی زیڈ ہیئر۔'' بورڈ سے آواز آئی۔

''ہیلو، ڈیسوزا۔میں خان بول رہا ہوں، ہاں کہو؟''

''میں ان دو بندروں کا تعاقب کرتے ہوئے شہر سے باہر آرام باغ نام کے ایک باغ تک پہنچ گیا ہوں۔اس باغ کے وسط میں ایک پرانا بنگلہ ہے۔وہ بندر اسی میں گئے تھے۔ اس کے اندر بہت سے آدمیوں کی نقل وحرکت دکھائی دیتی ہے،لیکن ان کے چہرے پہچانے نہیں جاتے، وہ نصف چہرہ ڈھکے رہتے ہیں۔''

''کیا تم اندر نہیں جاسکتے؟''

''بڑے محتاط لوگ ہیں، پتا کھڑکنے پر کان کھڑے کرلیتے ہیں۔''

''خیر، تم واپس آجاؤ،لیکن دامن گاؤں پولیس چوکی سے دو ہوشیار سپاہی لے کر اس باغ کی نگرانی پر مقرر کردو تاکہ ہمارے انتظام کے دوران وہاں کوئی نئی بات ہو تو ہمیں خبر کردیں۔'' خان نے ہدایت کی۔''میں ایک بڑی شخصیت کی گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''خان نے مزید بتایا۔

''بہت اچھا، میں آرہا ہوں۔'' ڈیسوزا کا جواب سنائی دیا۔اور پھر سلسلۂ گفتگو منقطع ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بالے کی مرمت

آرام باغ (روح افزا) پر چھاپا مار کر جب کچھ ہاتھ نہ لگا تو سپرنٹنڈنٹ خان بھی کچھ دیر کے لیے چکرا گیا۔ اسے یقین تھا کہ ڈاکٹر نارمن اور اس کا پراسرار ہیڈ کوارٹر یہیں ہے، لیکن وہاں سوائے کچھ پرانے فرنیچر اور غیر متعلق سامان کے کچھ نہ تھا۔ البتہ اگر کسی نوعیت سے اس خیال کی تصدیق ہوئی تھی تو وہ صرف اس قدر کہ بنگلے کے اندرونی حصے میں برآمدے کے پاس والا کمرہ اور اس سے ملحقہ ہال دونوں اس طرح صاف ستھرے تھے جیسے ابھی کچھ عرصے پہلے یہاں کوئی رہ گیا ہو۔ جب کہ نواب سکندر مرزا کے لڑکے سے خان معلوم کر چکا تھا کہ یہ بنگلہ مدت سے اسی طرح ویران پڑا ہوا ہے۔ باغ سے ایک میل دور واقع گاؤں والوں سے تحقیق کرنے پر صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ رات کے اندھیرے میں گاؤں کے قریب سے گزرنے والی کچی سڑک سے کچھ موٹریں گزری تھیں۔ وہ کہاں سے آئی تھیں اور کہاں گئیں؟ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ کچی سڑک پر موٹروں کے پہیوں کے نشانات دیکھنا اب فضول تھا، کیونکہ ابھی اسی راستے سے پولیس کی گاڑیاں آئی تھیں اور اس طرح اگر وہ نشانات رہے بھی ہوں تو ختم ہو گئے ہوں گے۔

وہ پراسرار مجرم اگرچہ صاف بچ نکلا تھا، لیکن خان کو افسوس صرف یہ تھا کہ نارمن کی گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرنے میں الجھنے کی بجائے اس نے گزشتہ شب ہی روح افزا پر کیوں چھاپا نہیں مار دیا، جو اسے اس قدر مہلت ہی نہ ملتی۔ خان حالات سے کبھی مایوس نہ ہوتا تھا، البتہ پولیس کی بدنامی کے لئے یہ کافی تھا کہ اس قدر اہتمام کے ساتھ مجرم کو گھیرے میں لینے کے باوجود پولیس اسے قابو میں نہ کر سکی، بلکہ رات کو نگرانی پر چھوڑے گئے اس کے دو کانسٹیبل بھی اندھے ہو گئے۔

واپس لوٹتے ہوئے وہ بہت جھنجلایا ہوا تھا۔انسپکٹر ڈیسوزا بھی ساتھ تھا۔اور دونوں خاموش خاموش سے تھے۔

''اگر ہم نے رات کو ہی چھاپا مار دیا ہوتا تو...'' خان نے کہنا چاہا۔

''لیکن کیا معلوم تھا کہ وہ ہوشیار ہو جائے گا اور پھر اس کا وارنٹ۔'' ڈیسوزا نے مختصر سا جواب دیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اسے ہماری نقل و حرکت کی بھی خبر رہتی ہے کسی طرح۔''

''مجھے بھی شک ہے۔'' ڈیسوزا نے کہا۔

''خیر، پولیس ہیڈ کوارٹرز چلو، میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان نے کار روک لی۔ڈیسوزا اس کی کار سے اتر کر پیچھے آتی ہوئی اپنی کار میں جا بیٹھا اور خان نے اپنی کار شہر میں داخل ہوتے ہوئے دوسری سڑک پر گھما دی۔پولیس کی گاڑیاں آگے بڑھ گئیں۔

کرزن روڈ کے ایک پٹرول پمپ پر خان نے اپنی کار کھڑی کر کے منیجر کو اس میں آٹھ گیلن پٹرول ڈالنے کی ہدایت کی اور خود پیدل ٹہلتا ہوا فٹ پاتھ کے کنارے کنارے پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف کی بڑی عمارت تک آ گیا۔ایک نظر چاروں طرف دیکھنے کے بعد وہ اندر داخل ہو گیا۔اندر کافی بھیڑ بھاڑ تھی، لیکن وہ اس سے بچتا بچاتا انکوائری آفس کے نزدیک رکھے ہوئے پبلک ٹیلی فون کال اسٹینڈ میں داخل ہو گیا اور شیشے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔اندر دوانی ڈال کر ڈائل گھمانے پر دوسری طرف کنیکشن مل گیا۔

''ہیلو، اسرار... ہاں میں خان بول رہا ہوں۔تم فوراً ڈاکٹر نارمن کے بنگلے پر پہنچ کر کسی طرح معلوم کرو کہ وہ گھر پر کب سے موجود نہیں ہے.... بالے؟.... ہاں اس کا ابھی تک پتہ نہیں ہے۔خدا جانے کیا گزری اس پر۔بہر حال اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔مجھے تم ہیڈ کوارٹرز سے وائرلیس کے ذریعے خبر کر دینا.... نہیں نہیں، وہ شہر نہیں چھوڑ سکتا۔تمام سرحدی چوکیاں سختی سے نگرانی کر رہی ہیں۔اچھا، جلدی کوشش کرو۔''

یہ کہہ کر خان نے رسیور رکھ دیا اور بوتھ سے باہر نکل کر پٹرول پمپ کی طرف واپس آ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

''آپ نے اسے قید کر دیا ہے؟''

''ہُم...اس نے میرے اصول کے خلاف ایک آدمی کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا۔ میں اپنی مرضی کے مطابق ہر کام چاہتا ہوں۔''

''لیکن اگر اس نے کوئی گڑبڑ مچائی؟''

''اس کے دماغ کے یادداشت کے خانے میں پہلے ہی کند کر چکا ہوں۔ تمہیں اس کی طرف سے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' مائیک سے بھاری آواز سنائی دی اور میز پر جھکا ہوا تنومند آدمی کسی قدر گھبرا سا گیا۔

''میرا یہ مطلب نہیں باس۔ لیکن اب آدمیوں کا اغوا کون کرے گا؟''

''ہمارے پاس ابھی تین بندر موجود ہیں اور کل شام کو جو نا گڈھ سے تیس بندر یہاں پہنچنے والے ہیں۔ اب کے بھیجے بدلنے کے لیے ہمیں انتیس نئے آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ اور ایک وہ پولیس کا چغل خور موجود ہے۔'' مائک سے آواز آئی۔

''انتیس آدمی؟'' وہ آدمی تقریباً اچھل پڑا۔

''میں بزدلوں سے ایسے کام نہیں لیتا، تم ان تین بندروں کو سمجھا دو کہ کس طرح آدمیوں کو اغوا کیا جاتا ہے، وہ تم لوگوں سے بہتر طریقے پر یہ کام کریں گے۔'' نظر نہ آنے والے کی آواز مائک کے فریم سے بھرّا کر نکلی۔

''او کے، باس۔'' یہ کہہ کر اس آدمی نے سوئچ آف کر دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس زمین دوز کمرے کو عبور کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ اس مقام پر اندر کے ستھرے کمروں کے سوا ہر طرف سیلن کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی چھت پر سے عجیب سا شور سنائی دیتا، جیسے کوئی دریا بہہ رہا ہو۔

یہ نامعلوم مقام کئی سو فٹ کے حلقے میں دور تک پھیلا ہوا تھا۔اس میں کچھ سیلن دار بے ترتیب دیواروں والے بڑے بڑے کمرے تھے اور دو تین تنگ راستے جو آگے جا کر ستھرے اور سجے ہوئے کمروں سے ملحق ہو گئے تھے۔وہ ایسے ہی ایک کاریڈور کو عبور کرتا ہوا ایک بڑے کمرے میں نکل آیا۔

''پیگی، ..پیگی ڈارلنگ۔''اس نے آواز دی اور چند سیکنڈ کے بعد ہی دوسری کاریڈور کی طرف سے مترنم سا جواب آیا۔

''یس، ڈیئر۔''پیگی آسمانی رنگ کی خوب صورت فراک پہنے ہوئے باہر نکل آئی۔ اس وقت وہ بہت حسین معلوم ہو رہی تھی۔وہ دراز قد آدمی اسے للچائی ہوئی نظروں سے گھورنے لگا۔

''لو،کل تمہارے اس عاشق صادق کی باری ہے۔''اس نے پیگی سے تبصرہ کیا۔

''کیا کل پھر آپریشن ہوں گے؟''

''ہاں۔تمیں نئے بندر آرہے ہیں۔''

''چچ چچ، بیچارہ غریب الو۔''پیگی نے یہ کہہ کر مسکراتے ہوئے سامنے کی طرف دیکھا، جہاں بہت سی سلاخ دار کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں اور ان کے اندر بہت سے آدمی بھرے ہوئے تھے۔ان کی داڑھیاں بڑھی ہوئی، چہرے بگڑے ہوئے اور کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ سرے پر ایک جنگلے میں ایک اکیلا آدمی بند تھا۔اس کی داڑھی کے بال بھی بڑھ گئے تھے۔

''میں ابھی آتا ہوں،تم جب تک ان پاگلوں کو ان کی خوراک پہنچا دو۔''یہ کہہ کر وہ آدمی لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا دوسرے تنگ کاریڈور میں داخل ہو گیا۔پیگی نے ایک دل ربایانہ انداز سے انگڑائی لی۔کوٹھریوں میں عجیب عجیب سے قہقہے گونجنے لگے۔وہ اٹھلاتی ہوئی سرے والی کوٹھری کے نزدیک آ گئی۔

''ہیلو، مائی ڈیئر سارجنٹ۔''اس نے سلاخوں سے لگ کر کہا۔

''کہو، جانِ من۔''اندر سے قیدی نے برجستہ جواب دیا۔

''مزاج درست ہوئے یا ابھی کچھ کسر ہے؟''

''ہے ہے، تمہارے عشق میں اتنے ذلیل وخوار ہوئے اور ہم ہی سے پوچھتی ہو؟''

''تم یوں باز نہ آؤ گے۔''

''باز؟ جانِ من، باز تو بڑا جانور ہوتا ہے، اپنی کوالیفیکیشن تو الو تک محدود ہے۔''

''عجیب مسخرے ہو، موت کے منہ میں بھی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔''

''پھر وہی باز، تم چاہو تو ہمیں شکرا کہہ سکتی ہو۔''

''سنو، بالے۔''

''ارے، تو تم ہمارے نام سے بھی واقف ہو۔ شاباش میرے جذبِ عشق۔ آخر کیوں نہ ہو، دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی اور فائر بریگیڈ کا پتا نہیں۔''

''بند کرو اپنی چونچ، کل تمہاری موت آرہی ہے۔''

''کل آئے گی نا، پھر آج سے کیوں فاتحہ پڑھوں تمہارے نام پر؟''

''سننا ہے تو سنو، ورنہ میں جاتی ہوں۔''

''اچھا خیر، کہہ ڈالو، میں ہمدردی سے سنتا ہوں۔''

''ہمدردی کی دم، تمہیں جان بچانی ہے تو اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔''

''اسی وقت؟ اور وہ جو رقیبِ روسفید آگیا تو؟''

''میں تمہاری جگہ ایک دوسرا پاگل بند کردوں گی، وہ تم سے ملتا جلتا ہے۔''

''منظور ہے، مگر ایک شرط؟''

''افوہ، جلدی کہو، کیا بات ہے؟''

''یہی کہ اگلے جنم میں تم مجھ سے ضرور عشق کروگی۔''

''پاجی۔'' وہ چیخ اٹھی۔ ''جلدی نکلو باہر۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی کمر کے پٹے سے

Akram Allahabadi

ایک چابی نکال کر اس کا دروازہ جلدی سے کھول دیا۔ بالے نے باہر نکل کر ایک طویل انگڑائی لی اور پھر پیگی کو گھورنے لگا۔

"پیگی ڈارلنگ۔" وہ بڑے رومانی انداز میں بولا۔ پیگی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہے بالے نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر پٹک دیا۔ پیگی نہ جانے خود بھی کیوں شور نہ مچا سکی۔ بالے نے اپنی کمر میں لپٹی ہوئی ایک مضبوط، مگر باریک سی لمبی رسی نکالی اور پیگی کی ساڑھی کا پلو پھاڑ کر اس کے منہ پر پٹی باندھ کر اس نے اس کے ہاتھ اور پھر پیر رسی سے باندھ دیئے۔ وہ اسے جواب طلب نگاہوں سے دیکھتی رہی، مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

"جانِ من، یہ محبت کا کلائمیکس اسٹیج ہے۔" یہ کہہ کر اس نے پیگی کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا اور اپنی کوٹھری میں رکھ کر باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ پیگی نے ان بندشوں سے آزاد ہونے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔

"پیگی ڈارلنگ، باہر جانے کا راستہ کدھر ہے؟" اس نے پوچھا۔ اور جواب میں پیگی نے غصے میں بھری نگاہوں سے ایک طرف اشارہ کر دیا۔ بالے اس کی بتائی ہوئی سمت پر ایک تاریک و تنگ سے بدرو نما راستے میں داخل ہو گیا۔ یہ بدرو ایک گول نالے کی طرح تھی۔ لیکن بتدریج اوپر اٹھتی چلی گئی تھی۔ وہ اسے احتیاط سے عبور کرتا ایک کسی قدر کھلی جگہ پر پہنچ گیا۔ یہاں تازہ ہوا کے جھونکوں میں اسے نئی زندگی محسوس ہوئی اور یہ جان کر اسے حیرت ہوئی کہ وہ ایک پرانی نہر کے سرے پر بنے ہوئے پاور اسٹیشن کے قریب کھڑا ہوا ہے۔ یہ پاور اسٹیشن مدت سے استعمال نہ ہوتا تھا۔ اس کی عمارت بھی ویران پڑی تھی اور نہر میں بھی بجائے شفاف پانی کے اب گدلا سا کیچڑ رہ گیا تھا۔

لیکن بالے کو اچانک پھر کچھ خیال آ گیا۔ "ضرور یہ وہی لوگ ہیں۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا وہ پھر پلٹ پڑا اور اسی راستے تنگ بدرو کو عبور کرتا ہوا پھر اس سیلن دار کمرے میں جا

پہنچا۔پیگی اب تک اس کے کمرے میں بندھی پڑی تھی۔بالے نے دیکھا دوسرے کمروں کے قیدی اس وقت تھکے تھکے سے چپ چاپ بیٹھے تھے۔مگر اسے دیکھتے ہی وہ بندروں جیسی آواز میں چیخنے چلانے لگے۔

''بے چارے، آزادی سے مایوس ہوکر پاگل ہوگئے ہیں۔''بالے بڑبڑایا اور پھر اس نے ان کمروں کے دروازے کھول دیے۔ان سب میں ایک ہی چابی کام آگئی تھی،مگر اس نے دیکھا کوئی باہر ہی نہیں نکل رہا ہے۔وہ سمجھا شاید یہ لوگ مجھے بھی اس گروہ کا آدمی سمجھ رہے ہیں۔چنانچہ وہ ایک کمرے میں گھس کر چیخا۔

''چلو، جلدی بھاگ نکلو یہاں سے ورنہ کوئی آجائے گا۔راستہ وہ سامنے ہے۔''اس کی آواز سنتے ہی وہ چونک کر اٹھے اور اسے عجیب عجیب نظروں سے گھورنے لگے۔

''خوں۔''ان میں سے ایک اس پر جھپٹا۔

''خوں خوں...خاؤں خوں۔''دوسرا چیخ کر اس پر آٹوٹا۔اور پھر سب اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے کپڑے تک نوچ ڈالے۔

''ارے کم بختو، میں نے تمھیں آزاد کرایا ہے۔''بالے چیخا۔

''آزاد۔ہی ہی ہی، ہوہوہو۔''ان میں سے ایک قہقہہ مار کر ہنسا اور پھر وہ بھرا مار کر کمرے سے نکلتے ہوئے اس بدرو کی طرف دوڑے۔انھیں بھاگتے دیکھ کر دوسرے کمرے کے قیدی بھاگنے لگے۔بالے کے جسم پر ان کے ناخنوں کے زخم آگئے تھے۔وہ اس ستم ظریفی پر حیران تھا۔سب سے آخر میں وہ کسی قدر نڈھال سا اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کو سمیٹتا، کمرے سے نکل کر بدرو کے راستے باہر کی طرف چل دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پاگل مارچ

مشرقی علاقے سماتی پور سے جس وقت شہر میں پھٹے کپڑے پہنے بڑی داڑھیاں لیے عجیب عجیب شکلیں بنائے ہوئے پاگلوں کا جلوس داخل ہوا تو لوگ دونوں طرف اسے دیکھنے کے لیے اکٹھا ہونے لگے۔ یہ پاگل آدمی سڑک پر اچھل اچھل کر چل رہے تھے۔ کوئی سیٹی بجاتا، کوئی دھول دھپا کرتا۔ اتنے میں ایک پاگل اچک کر دوسرے کے سر پر چڑھ بیٹھا، دوسرا وزن نہ سنبھال سکا اور دونوں نیچے آ رہے۔ لوگ ہمدردی میں آ کر آگے بڑھے تھے کہ وہ یہ دیکھ کر رک گئے کہ ان پاگلوں کے ساتھی سب چاروں طرف سے جھک کر تماشا دیکھ رہے تھے اور وہ خاؤں خاؤں کی بولیاں نکال رہے ہیں۔ وہ دونوں پاگل ایک دوسرے پر پہلے تو خوں خوں کر کے جھپٹتے رہے، پھر جب فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے لوگ قہقہے مار کر ہنس دیئے تو وہ پبلک پر ٹوٹ پڑے۔ کوئی کسی کے کپڑے نوچنے لگا، کسی نے خوں خوں کر کے منہ نوچ لیا، کوئی کسی کو دوڑانے لگا۔ ذرا سی دیر میں تمام بھگدڑ مچ گئی۔ اس طرف گشت کرنے والا ایک پولیس کانسٹیبل بھی موقع پر موجود تھا، لیکن اس کے پاس صرف لاٹھی تھی، جو اس کے کام نہ آئی اور اسے بھی بھاگنا پڑا۔ یہ پاگل بالکل بندروں جیسی حرکتیں کر رہے تھے۔ سڑک پر دو طرفہ دکانوں میں انھیں جو چیز ہاتھ لگی اسے منہ میں رکھنے لگے۔ اس طرح یہ طوفان پھیلتا پھیلتا شہر کے وسطی علاقے تک آ گیا۔ اس وقت تک سنٹرل پولیس اسٹیشن اور پولیس ہیڈ کوارٹرز کو خبر ہو چکی تھی۔ چنانچہ دونوں طرف سے مسلح پولیس کی گاڑیاں الارم بجاتی ہوئی موقع واردات پر پہنچ گئیں۔ پاگل پولیس کے ساتھ بھی ان ہی بندرانہ حرکتوں سے پیش آئے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ جب بولی بولتے تو آدمیوں کی ہوتی، ان میں سے ایک نے بڑی سنجیدگی سے انسپکٹر ڈیسوزا کے قریب آ کر کہا۔

"پم پم پم پم چہ... پوت پوا... پوہ... پوہ۔"

''میرا نام چیں پوں چیں پوں۔'' دوسرا فورانزدیک آ کر بولا۔

''لے چلو انھیں پکڑ کر۔'' ڈیسوزا نے کانسٹیبلوں کو حکم دیا۔ اور اشارہ پاتے ہی یہ پاگل ڈنڈوں سے گھیرے جانے لگے۔ بڑی مشکل سے وہ اچھلتے کودتے پولیس کی گاڑیوں میں سوار ہوئے۔ اور جب انھیں لے جا کر حوالات میں بند کیا گیا تو وہاں بھی وہ اودھم مچاتے رہے۔ ڈیسوزا انھیں حوالات میں چھوڑ کر اسی وقت سپرنٹنڈنٹ خان کے بنگلے کی طرف چل پڑا۔ تمام شہر میں ان بندروں والی خصلت کے پاگلوں کا چرچا پھیل گیا۔ وہ جہاں سے بھی گزرا، لوگ ان کا ہی ذکر کر رہے تھے۔

سپرنٹنڈنٹ خان کے بنگلے پر کار روک کر جب ڈیسوزا اندر داخل ہوا تو باہر سے ہی بالے کی آواز سن کر چونک پڑا۔ غلام رسول نے بتایا کہ صاحب ریڈنگ روم میں ہیں۔ ڈیسوزا اس وقت خان کی اجازت منگائے بغیر خود ہی اس کے ریڈنگ روم تک پہنچ گیا۔ خان نے کھلے دروازے سے ہی اسے دیکھ لیا۔

''اندر آ جاؤ، ڈیسوزا۔'' اس نے پکارا اور ڈیسوزا اندر پہنچ کر سلام کرتے ہوئے بالے کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''یہ کیا وحشت ہے؟'' بالے نے پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم چیں پوں چیں پوں کیوں نہیں کرتے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''یہ کیا بلا ہے؟'' خان نے مسکرا کر پوچھا۔

''نئی مصیبت۔'' یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا اور پاگلوں کا تمام واقعہ سنا ڈالا۔

''آپ کوئی نئی چیز نہیں لائے، ڈیسوزا صاحب۔ یہ پاگل میرے ہی چھوڑے ہوئے ہیں۔'' بالے بول اٹھا۔

''تب تو مجھے تم کو ہی گرفتار کرنا چاہیے تھا۔'' ڈیسوزا مسکرایا۔ ''مگر تم گئے کہاں تھے،

بھلے آدمی؟''

''بے چارے مریضِ عشق جو ٹھہرے۔ پیگی کے چکر میں ڈاکٹر نارمن کی قید تک پہنچ گئے تھے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ اس نے ان کا بھیجا کسی بندر سے نہیں بدل دیا۔''

''بندر تو آدمی کی ہی پچھلی نسل ہیں، کسی گدھے...''

''مسٹر۔'' بالے نے اسے سنجیدگی سے گھورا۔

''ارے بھئی، میں خدانخواستہ تمہیں تھوڑی کہہ رہا ہوں۔'' ڈیسوزا نے مسکرا کر بات بنا دی۔

''خیر سنو، ڈاکٹر نارمن خود کو اپنے ساتھیوں سے بھی پوشیدہ رکھ کر ایک خطرناک کھیل کھیل رہا ہے۔ وہ ایک ایسے تجربے میں کامیاب ہو گیا ہے جس میں آپریشن کے ذریعے بغیر جان خطرے میں ڈالے جان داروں کے برین (بھیجے) تبدیل کیے جا سکتے ہیں اور اس نے پہلا تجربہ ان بندروں پر ہی کیا تھا جو گودی سے غائب کیے گئے تھے۔''

''تو گویا وہ پارسل غائب کرنے والے ڈاکٹر نارمن کے ہی آدمی تھے؟''

''ہاں۔ اور وہ لوگ جو شہر سے اغوا کیے گئے تھے، ان شکاروں میں ہیں جن کے بھیجے ان بندروں کے بھیجوں سے بدل دیے گئے ہیں۔ بندروں نے انسان کی عقل پا کر انسانوں جیسی حرکتیں کی ہیں اور انسانوں نے بندروں جیسی، جیسا کہ تم ابھی دیکھ کر آ رہے ہو۔'' خان نے بتایا۔ ڈیسوزا ساری روداد حیرت سے سن رہا تھا۔

''لیکن...'' ڈیسوزا نے کہنا چاہا تھا کہ خان نے بات کاٹ دی۔

''یہ راز صرف ڈاکٹر اور اس کا ایک اسسٹنٹ تک، جسے وہ دیو کہتا ہے، محدود ہے۔ حتیٰ کہ سلازار کو بھی اس کا علم نہیں کہ اس کے ذریعے آدمی کیوں اغوا کرائے گئے تھے۔'' خان نے کہا۔

''سلازار؟ تو کیا واقعی وہ زندہ ہو گیا؟'' ڈیسوزا اپنی جگہ حیرت سے اچھل پڑا۔

Akram Allahabadi

''ہاں۔ مجھے اسی دن شبہ ہوگیا تھا جب پروجیکشن روم میں سلازار کی فلم دیکھ کر اس آدمی نے اس کی تصدیق کی تھی کہ اس پر حملہ کرنے والے کی ایسی ہی ماہیت تھی۔''

''مگر تعجب ہے کہ وہ ڈاکٹر نارمن کے لیے کام کرے۔ سلازار تو خود بہت بڑا اور حیرت انگیز سائنس دان تھا۔'' بالے نے بھی حیرت کا اظہار کیا۔

''تم نے محض جھک ماری ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کی قیام گاہ دریافت کرلی۔ پیگی کے عشق میں قیدی بن کر چلے گئے اور پاگلوں کو آزاد کر کے تیر مارتے ہوئے واپس چلے آئے۔''

''جی نہیں، میں نے اور کچھ بھی کیا ہے۔''

''وہ بھی سنیں۔''

''کل جونا گڈھ سے تیس بندروں کا ایک پارسل آرہا ہے اور انتیس آدمی اس کے لیے اغوا کیے جائیں گے۔ تیسواں بدنصیب میں تھا، جو ساتھ خیریت کے بھاگ نکلا۔'' بالے نے بتایا۔

''اس کا بندوبست کرنا پڑے گا۔'' خان بولا۔

''مگر ہم اس کی نہر والی پناہ گاہ پر چھاپا کیوں نہ ماریں؟''

''فضول ہے، وہ بہت محتاط شخص ہے۔ اب تک وہ وہاں سے سب کچھ منتقل کر چکا ہوگا۔ پھر بھی تم کو کوشش کرنے کی اجازت ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

''بہت خوب، میں ایک کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔'' ڈیسوزا نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس تمام مسخرے پن کی پشت پر آخر مقصد کیا ہے؟'' بالے نے سوال کیا۔

''یہ ایک بات عقل مندی کی کی ہے تم نے، لیکن اس کا مقصد سوائے ایک پاگل پن کے کچھ نہیں۔ وہ اپنے اس عجیب تجربے کی دھونس سب پر بٹھانا چاہتا ہے۔ یا سچ پوچھو تو خود اس

کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

''آپ نے میرے سلازار والے سوال کا جواب نہیں دیا؟'' بالے نے دہرایا۔

''سلازار بہت بڑا سائنس داں ہے، لیکن ڈاکٹر نارمن نے اس کے برین کے یادداشت کے خانے معطل کر دیے ہیں، جن کی وجہ سے وہ اپنی پچھلی زندگی کو اور اپنے آپ کو بھول کر صرف اس کے اشارے پر چل رہا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''اس طرح تو وہ اس سے خطرناک کام بھی لے سکتا ہے؟''

''شاید نہیں، کیوں کہ ڈاکٹر پبلک کے ساتھ اپنے پاگل پن میں یہ ایک عجیب سائنسی مذاق کر رہا ہے۔ ویسے اس کا ارادہ دہشت انگیزی کا نہیں ہے۔ وہ اگر تخریبی نظریات کو پسند کرتا تو ایک آدمی کا خون کر دینے پر سلازار کو قید نہ کر دیتا۔''

''تو سلازار اس کی قید میں ہے؟''

''ہے تو، مگر مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن اس کی یادداشت کا تعطل دور ہو جائے گا اور وہ دن ڈاکٹر نارمن کے لیے، بلکہ ہم سب کے لیے، خطرناک ترین دن ہوگا۔'' خان نے بتایا۔

''تو سلازار کو ہی پکڑ کر ہم ختم کر دیتے ہیں۔'' بالے نے اپنی رائے دی۔

''جب ہم اسے نہیں پکڑ پا رہے تو سلازار کو کیسے پکڑ سکتے ہیں۔ کیا بچوں کا کھیل ہے؟'' خان نے جواب دیا۔

''پھر اب آگے کیا کیا جائے؟'' ڈیسوزا نے پوچھا۔

''اس کی نئی قیام گاہ کا پتہ لگانے کے لیے جونا گڈھ کی سرحد کی خفیہ نگرانی کرنی پڑے گی۔ نئے بندر ادھر ہی سے لائے جائیں گے نا۔'' خان بولا۔

''تعجب ہے کہ یہاں بیٹھے بیٹھے آپ کو سب کچھ معلوم کیسے ہوگیا۔ آپ تو ریڈیم نارچ کا بھی راز جان گئے۔'' ڈیسوزا نے رائے زنی کی۔

''بیٹے، میں خاموش بیٹھنے کا عادی نہیں ہوں، میں ان ہی چیزوں میں اتنے دن مصروف رہا ہوں۔''

''اوران پاگلوں کا کیا کیا جائے؟''

''یہ وہی لوگ ہیں جواغوا کیے گئے تھے۔انھیں یا تو ان کے عزیزوں کے حوالے کردیا جائے یا سردست پاگل خانے میں ڈالا جائے۔کم ازکم میں تو حکام بالا کو یہی رائے دوں گا۔''خان نے کہا۔

''لیکن وہ بندر بھی تو ہمارے قبضے میں ہیں۔''بالے جلدی سے بول اٹھا۔

''ان پر نام تو نہیں لکھا کہ کس کا بھیجا کس کے سر میں ہے۔اور پھر شاید صرف ڈاکٹر نارمن ہی دوبارہ ان کے برین تبدیل کرسکے۔ممکن ہے اس نے کوئی خاص علامتیں رکھ چھوڑی ہوں۔''خان نے جواب دیا۔

''واقعی یہ تو عجیب وغریب مسئلہ بن گیا ہے۔''ڈیسوزا سوچ میں پڑ گیا۔

''خیر،اب ہمیں جلد از جلد ڈاکٹر نارمن کی قیام گاہ کا پتہ لگانا ہے۔اسے جس قدر ممکن ہو،جلد گرفتار کرنا پڑے گا۔''یہ کہہ کر خان اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں نے کئی دن کی جیل بھگتی ہے،کم ازکم مجھے تو معاف ہی رکھیے آپ۔''بالے ہاتھ جھٹکنے لگا۔

''میرا کیا ہے،میں پیگی کو جیل بھیج دوں گا۔''

''ٹھہریے،میں چلتا ہوں۔آپ بڑے بے رحم ہیں واقعی۔''بالے بھی اٹھ کر ساتھ ہولیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

وارننگ

سپرنٹنڈنٹ خان کے خلاف توقع جونا گڈھ کی سرحد سے بندروں کی درآمد کا تعاقب کرتے ہوئے ڈاکٹر نارمن کا سراغ لگا لینے کی کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ صبح سے لے کر شام تک اور پھر رات بھر خفیہ پولیس کے آدمی سرحد پر دیہاتیوں کے بھیس میں موجود رہے، لیکن اس طرف سے چڑیا کا بچہ بھی نہ گزرا۔ صرف لکڑیوں کی چند گاڑیاں اور گڑ کے کچھ تھیلے ایک ٹرک میں کچھتا جر لے گئے تھے۔

ڈیسوزا نے بالے کو ساتھ لے کر نہر والی پناہ گاہ پر چھاپا مارا تو وہاں سوائے چند ٹوٹی پھوٹی کرسیوں اور چند کپڑوں کے کچھ نہ ملا۔ ڈاکٹر نارمن اندازے سے زیادہ پراسرار ہوتا جا رہا تھا اور پولیس کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس بار کسی جرائم پیشہ دماغ سے اس کا پالا نہیں پڑا، بلکہ مقابلے میں ایک بہت چالاک اور تجربہ کار شخصیت ہے، جس پر قابو پا لینا آسان نہ ہوگا۔ سپرنٹنڈنٹ خان بھی ان واقعات کے بعد زیادہ سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر نارمن کو اپنے بنگلے سے غائب ہوئے دو تین ہفتے گزر چکے تھے۔

تمام دن اور رات جونا گڈھ کی سرحد کی نگرانی کے بعد جب یہ لوگ واپس لوٹے تو خان کا تھکن سے برا حال تھا۔ شہر میں داخل ہوتے ہوتے دھوپ پھیل گئی تھی، لیکن خلافِ توقع آج شہر کی فضا کچھ گڑبڑ نظر آ رہی تھی۔ لوگ دو دو چار چار کے گروہوں میں بیٹھے آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ خان نے ایک جگہ کار روک کر بالے کو تحقیقِ حال کے لیے دوڑایا۔ پانچ منٹ کے بعد وہ ایک سنسنی خیز خبر لے کر لوٹا۔

"شہر میں تہلکہ مچا ہوا ہے۔ آج کی رات مختلف علاقوں سے پچاس کے قریب آدمی غائب ہیں اور صرف ایک بندر پکڑا گیا ہے جو ایک آدمی کو تھیلے میں ڈال کر پیٹھ پر لادے بھاگ

رہا تھا۔'' بالے نے بتایا۔

''پچاس!'' ڈیسوزا اچھل پڑا۔

''اف، ہم ادھر متوجہ رہے اور وہ ادھر اپنا کام کر گیا۔ کتنی بڑی بھول ہوئی۔'' خان نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

''بھول؟'' بالے نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں۔ بہت بڑا دھوکا دیا گیا ہمیں۔ جونا گڈھ کی سرحد سے بندر لانے کا بہانا کر کے اس نے ہمیں مغالطہ دیا ہے۔ تب ہی میں سوچ رہا تھا کہ تمہیں اتنی آسانی سے پاگلوں سمیت اس جگہ سے فرار ہونے کا موقع کیسے مل گیا؟''

''آپ کا مطلب ہے کہ موقع دیا گیا؟''

''یقیناً۔ یہ بندروں کے بھیجے رکھنے والے پاگل اس کے کسی کام کے نہ تھے، سوائے ایک بوجھ کے۔ اس لیے اس نے ان سے پیچھا بھی چھڑا لیا اور ہم تک غلط پروگرام بھی پہنچوا دیا۔''

''مگر وہ اس نے اپنے خاص اسسٹنٹ سے کہا تھا۔''

''وہ بہت چالاک دماغ ہے۔ اپنے قریب ترین ساتھی کو بھی اپنے پروگراموں سے باخبر نہیں رکھتا۔ اغوا کی وارداتیں بھی بندروں سے کروائی ہیں۔'' خان نے بتایا۔

''پھر اب؟ پولیس ہیڈ کوارٹرز پہنچیں گے تو پولیس کمشنر اور آئی جی تو نوچ نوچ کر کھا جائیں گے۔'' ڈیسوزا نے مایوسی سے کہا۔

''تم لوگ جاؤ، میں اب کم بخت کا قصہ چکا کر ہی لوٹوں گا۔'' خان نے بپھرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''تو ہمیں بھی ساتھ لے چلیے نا، ہم پوری طرح محتاط رہیں گے۔'' ڈیسوزا نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ دراصل وہ ڈر رہا تھا کہ پولیس کمشنر کی خفگی سننے کو ملے گی۔

''خیر، چلو۔'' یہ کہہ کر خان نے گاڑی پلٹائی اور وہ جدھر سے آئے تھے اسی طرف لوٹ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سویرے سے پولیس اسٹیشنوں پر کال پر کال آرہے تھے اور پولیس افسر حیران تھے کہ کیا جواب دیں۔شہر کا چپہ چپہ کھنگال ڈالا تھا، مگر کوئی ہلکا سا بھی سراغ نہ مل سکا تھا۔اعلیٰ افسران سپرنٹنڈنٹ خان، بالے اور ڈیسوزا کی گمشدگی سے اور پریشان تھے۔

ٹھیک دوپہر کے وقت پولیس ہیڈ کوارٹرز میں وائرلیس پر سپرنٹنڈنٹ خان کا پیغام پہنچا۔ڈی آئی جی اس وقت دفتر میں ہی موجود تھے۔وہ خود ہی کمیونیکیشن سیٹ پر آپہنچے۔

''ہیلو، مسٹر خان۔آپ کہاں ہیں اس وقت؟'' انھوں نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

''میں اسی کمبخت کے پیچھے لگا ہوا ہوں اور اسے گرفتار کر کے ہی لوٹوں گا۔لیکن آپ شہر میں دکھائی دینے والے بندروں کو گولی مار دینے کا حکم جاری کر دیجیے۔''

''مگر...مگر اس سے ہندوآبادی مشتعل ہوگی؟'' ڈی آئی جی نے کہا۔

''لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے پبلک کو ان بندروں کی خطرناک حیثیت سے آگاہ کر کے مطمئن کیا جاسکتا ہے۔'' خان نے جواب دیا۔

''خیر، میں پولیس کمشنر سے مشورہ کرتا ہوں، لیکن یہ واردا تیں؟''

''میں ان آدمیوں کو اس کی دسترس سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔آپ یقین رکھیے۔''

''اف، عجیب حالات ہیں۔خدا جانے کیسے کیسے رنگ بدل رہا ہے زمانہ۔'' ڈی آئی جی جھنجلا گئے۔

''میں پولیس ہیڈ کوارٹرز سے وائرلیس کنٹیکٹ قائم رکھوں گا۔خدا نے چاہا تو ہم جلد ہی تمام حالات پر قابو پالیں گے۔''خان نے آخری الفاظ کہے۔اس کے بعد سلسلہ منقطع ہوگیا، کیونکہ اچانک ہی درمیان میں ایک اور نامعلوم میسیج (پیغام) کود پڑا۔ڈی آئی جی چونک پڑا۔ سیٹ سے ایک انجانی آواز سنائی دے رہی تھی۔

''ہیلو، پولیس ہیڈ کوارٹرز، میرا بھی میسیج لیجیے۔میں نارمن بول رہا ہوں۔ہیلو، اگر پولیس والوں کے کان بہرے نہیں ہوئے تو انھیں سن لینا چاہیے۔''اسکرین سے آواز سنائی دی۔تمام موجود پولیس افسر اس کے گرد جمع ہو گئے۔

''ڈاکٹر نارمن بول رہا ہے؟''ایک افسر نے حیرت سے کہا۔

''یہ میری وارننگ ہے۔''آواز پھر سنائی دی۔''کہ اگر میرے کام میں پولیس نے زیادہ ٹانگ اڑائی تو شہر میں صرف دو قسم کے جاندار دیکھنے میں آئیں گے، ایک بندر دوسرے پاگل۔پھر سے سن لیجیے، ایک بندر دوسرے پاگل۔میسیج اوور۔''

سلسلہ منقطع ہوگیا اور سب حیرت سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

''یا خدا، یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''ڈی آئی جی دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی پر گر پڑا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہر سے دور ایک ویران مقام پر وہ تینوں ایک دیہاتی جھونپڑے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ڈیسوزا کسی گہری سوچ میں پڑا تھا، خان کاغذ پر پینسل سے کچھ لکھ رہا تھا اور سارجنٹ اسرار دیہاتی چولہے پر مٹی کی ہانڈی چڑھا کر چائے تیار کر رہا تھا۔بالے کہیں گیا ہوا تھا۔چائے تیار ہوگئی اور وہ پی کر بھی بیٹھ گئے، لیکن بالے کافی دیر بعد لوٹا۔اس کے ہاتھ میں آج صبح کا اخبار بھی تھا، جو اس نے خان کے آگے ڈال دیا اور ہانپتا ہوا ایک طرف بیٹھ گیا۔

پہلی سرخی پر جوخان کی نظر پڑی تو وہ چونک پڑا۔اس میں ایک عورت کے سنسنی خیز قتل کے عنوان سے ایک نئی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔گزشتہ شب پی ڈبلیو ڈی کے چیف انجینئر کی جوان بیٹی ارمیلا راج میکر کو کسی نے گلا دبا کر مار ڈالا تھا۔وہ شہر کی خوبصورت ترین لڑکیوں میں سے ایک تھی،لیکن اس سے بھی زیادہ قابل توجہ وہ ریمارکس تھے جو پولیس کی طرف سے اس سلسلے میں دیئے گئے تھے۔خان نے اخبار ایک طرف زور سے پھینک دیا۔

''اف،یہ نئی مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی۔'' وہ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا؟'' ڈیسوزا نے چونک کر پوچھا۔

''سلازار کی یادداشت ضرور بحال ہو گئی ہے۔آج اس نے اپنے نفسیاتی جنون کے تحت پہلا خون کیا ہے۔'' خان نے بڑبڑا کر کہا۔

''اس کا سنبھالنا تو اور مشکل ہو جائے گا۔'' بالے نے بھی دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔اس وقت ان کے چہروں پر دن کے دس کے بجائے ۱۲ بجتے معلوم ہو رہے تھے۔

''تم نے کیا کیا،بالے؟'' خان نے پلٹ کر پوچھا۔

''آپ کا خیال درست نکلا۔دیوندر ہی ڈاکٹر نارمن کا اسسٹنٹ نکلا۔وہ اسی کو دیو کہتا ہے۔اور یہ دیو خود کو ایور گرین ہوٹل میں ساونت کے نام سے مشہور کیے ہوئے تھا۔''

''وہ کیسے؟'' ڈیسوزا نے پوچھا۔

''میں اسے پیگی کے ساتھ کئی بار دیکھ چکا ہوں۔اس کے نوکر نے مجھے اس کی جو تصویر دکھائی تھی،اس میں سر مو فرق نہیں تھا۔''

''دیوندر کون ہے؟'' ڈیسوزا نے دریافت کیا۔

''نیشنل اسپتال کا اسسٹنٹ سرجن،جس کے آپریشن بگاڑ دینے سے دو مریضوں کی موت واقع ہو گئی تھی۔اسے معطل کر دیا گیا تھا۔اس کا کیرکٹر بھی کچھ اچھا نہ تھا۔'' خان نے ایک بار میں سب کچھ بتا دیا۔

''مگر پیگی نے تو...؟''

''اسے خود اس کی شخصیت کے بارے میں پوری طرح علم نہیں۔''

''پھر اب؟''

''وہ روز رات کو ایک بار تھوڑی دیر کے لیے اپنے گھر آتا ہے۔'' بالے نے بتایا۔

''میں اور مسٹر ڈیسوزا آپ کی گاڑی لے کر اس کا تعاقب کریں گے۔ آپ سلازار سے نپٹ لیجیے۔'' بالے نے کہا۔

''نہیں۔ میں نارمن کا جھگڑا پہلے چکانا چاہتا ہوں۔ میں اور تم اس کا تعاقب کریں گے اور ڈیسوزا اور اسرار پولیس فورس لے کر مستعد رہیں گے، جس سے پیغام ملتے ہی چھاپہ ماردیں۔''

''انچہ مولی ہمہ مولی۔'' بالے نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''کم بخت، یہ دل لگی کا وقت ہے؟''

''تو کیا چیخ چیخ کر روؤں۔ خدانا خواستہ آپ کو کچھ ہوگیا ہوتا تو یہ بھی کرلیتا۔'' بالے نے معصومیت سے کہا۔ اس پر سب ہنس پڑے۔

☆☆☆☆☆☆☆

شہر سے جام گڈھ تحصیل کی طرف جانے والی چوڑی پختہ سڑک پر ایک کشمشی رنگ کی پرانی لمبی کار برق رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ اس میں صرف ایک آدمی تھا جو کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ سیاہ سا لباس پہنے ہوئے تھا اور اس کا نصف چہرہ سر پر لگی ہوئی فیلٹ کیپ کے اگلے حصے سے اور باقی نصف کوٹ کے کھڑے کالروں سے چھپا ہوا تھا۔ اس نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا رکھا تھا۔ کار کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز تھی اور اس کے پہیوں کی آواز میں صرف سرسراہٹ سی سنائی دیتی۔ کبھی کبھی وہ سڑک کے کسی گڑھے پر سے گزرتی ہوئی اچھل پڑتی، لیکن چلانے والا

اپنی دھن میں اسے اسی رفتار سے لیے جا رہا تھا۔ کار اسی رفتار سے سیدھی سڑک پر پندرہ بیس منٹ تک چلتی ہوئی ایک دوسری چھوٹی سڑک پر گھوم گئی۔ یہاں اس کی رفتار پہلے کی بہ نسبت کچھ مدھم ہو گئی۔ کار ڈرائیو کرنے والے نے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اندر کی جیب سے ایک کارڈ جیسی چیز نکالی اور اسے دیکھنے لگا۔ یہ تصویر تھی۔ ایک بہت خوبصورت نقش و نگار والی لڑکی کی، جس کے نیچے لکھا تھا 'ارمیلا'۔ اس نے ایک لمبی سرد سانس کھینچی اور تصویر کو پھر جیب میں رکھ لیا۔

چلتے چلتے اس کی کار ایک ڈھلوان سے گزر کر کسی قدر اونچائی پر پھر ایک کچے راستے پر گھوم گئی۔ یہاں اونچے اونچے جنگلی درختوں کے درمیان ایک پرانا بنگلہ دکھائی دے رہا تھا، جس کے دروازے پر ایک بوسیدہ تختی پر لکھا تھا، ہز ہائی نس آف جنجیرہ کا ڈاک بنگلہ۔ کار چلانے والے نے کچھ فاصلے پر ہی اپنی کار کو راہ سے ہٹا کر جھاڑیوں میں گھسیڑ دیا۔ پھر وہ اس میں سے اتر کر تیز تیز قدم رکھتا ہوا اس ڈاک بنگلے میں داخل ہو گیا۔

ڈاک بنگلے کے برآمدے میں ایک بلڈ ہاؤنڈ کتا پڑا ہانپ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی زور سے بھونکنے لگا، لیکن جب نووارد نے اس کی پرواہ نہ کی تو کتے نے دوڑ کر اس کی ٹانگ تھام لی اور پوری طاقت سے اپنے دانت گڑا دیئے۔ نووارد پر جیسے اس کا اثر تک نہ ہوا۔ اس نے بڑے اطمینان سے بپھرے ہوئے خونی کتے کا گلا دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ کتا اپنے پنجے اس کے بدن پر مارنے لگا، جس سے دو ایک جگہ سے اس کا لباس کافی پھٹ گیا، لیکن اس کے اندر سے بجائے گوشت و پوست کے صرف ہڈیاں جھانک رہی تھیں۔ نووارد کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے ایک ہاتھ سے کتے کی گردن چھوڑ کر اپنی آنکھوں کا چشمہ اتارتے ہوئے چہرے پر لپٹا ہوا سیاہ کپڑا الٹ دیا۔ کتے نے جیسے ہی اس کی شکل دیکھی، اسے چھوڑ کر بڑی زور سے اور پھٹی پھٹی آواز میں بھونکتا ہوا باہر کی طرف بھاگا۔ وہ مسکرا کر اندر داخل ہو گیا۔

ایک وسیع کمرے سے گزر کر دوسرا ایک لمبا خواب گاہ کا کمرہ تھا، جو کسی زمانے میں

ہز ہائی نس جنجیرہ یا ان کے کسی افسر کی دورانِ سفر کی آرام گاہ کے طور پر استعمال ہوتا ہوگا، لیکن اب تو سالوں سے ایسے ہی پڑا ہوا تھا۔ اس کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ اس کمرے میں ایک چوڑی میز پر کچھ سائنسی آلات نصب تھے اور ایک سر سے پیر تک سفید کپڑوں میں لپٹا ہوا آدمی میز پر جھکا ہوا خوردبین سے ایک شیشے پر لگے ہوئے خون کے قطرے کو دیکھ رہا تھا۔ دروازہ کھلتے دیکھ کر وہ سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اندر آنے والے نے اس کے سامنے اپنے چہرے سے سیاہ کپڑا نوچ ڈالا۔ اب وہاں صرف ایک مردے کی کھوپڑی تھی، جس کی آنکھوں کے گڑھوں میں دو زرد خوفناک آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس کے دانت اوپر نیچے جمے ہوئے بہت خوفناک معلوم ہو رہے تھے۔

''سلازار، تم کہاں چلے گئے تھے؟ کتنے کام کرنے ہیں تمہیں۔ میرے بغیر حکم کے آخر تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟'' سفید پوش ڈاکٹر اس پر بگڑ گیا۔

یکا یک اس کے جواب میں سلازار کا کھنکتا ہوا بھیانک قہقہہ گونج اٹھا۔ اس قہقہے کے ختم ہوتے ہی سلازار کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''بے وقوف آدمی، تم نے سلازار کو اپنا غلام بنانا چاہا تھا۔ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ سلازار تم جیسے سائنس دانوں کو چٹکی میں مسل سکتا ہے؟''

''تو تم... تم... تمہاری یادداشت؟''

''یہ چٹکلے مجھ پر آزمانے چلے تھے، ڈاکٹر۔ تم نے بہت بے گناہ غریبوں کی زندگیاں تباہ کی ہیں۔ تم نے بہت سے خاندانوں کو بے رونق کیا ہے۔ اور آج۔'' یہ کہتا ہوا وہ آگے بڑھا۔

گھبراہٹ میں ڈاکٹر نے اس پر تیزاب کی بوتل کھینچ ماری، بوتل سلازار سے ٹکرا کر چور ہوگئی اور تیزاب اس کے کپڑوں پر بکھر گیا۔

''میری ہڈیاں اس کے لیے پہلے سے محفوظ ہیں، بچے۔'' وہ اور قریب آتے ہوئے بولا۔

''میرے قریب نہ آؤ، ورنہ تمہارے ٹکڑے کردوں گا۔'' ڈاکٹر گھبراہٹ میں چیخا۔ جس کے جواب میں سلازار کا قہقہہ پھر چھوٹ پڑا۔

ڈاکٹر نے میز کی دراز کھول کے بھرا ہوا پستول نکال لیا اور سلازار پر لگاتار فائر کرنے شروع کردیے، لیکن فولادی ہڈیوں کے زندہ ڈھانچے پر اس کا کیا اثر ہوتا۔ البتہ فائرنگ کی آواز سن کر کمرے کے پچھلے دروازے کھل گئے اور پانچ چھ آدمی، جو پستولوں سے مسلح تھے، اندر آگئے، مگر سلازار پر نظر پڑتے ہی چیخیں مار مار کر بھاگنے لگے۔ تیزاب سے گل کر سلازار کے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر نیچے گر گئے تھے۔ اب وہ ننگا انسانی ڈھانچا نظر آرہا تھا۔ ایک چلتا پھرتا، بے گوشت و پوست کا ہڈیوں کا پنجر۔

ڈاکٹر پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار کے کونے سے جا لگا۔ اور دوسرے لمحے اس کی گردن سلازار کے فولادی پنجوں میں تھی۔ وہ ایک منٹ میں ہی بے دم ہوگیا۔ پھر بھی سلازار نے اسے اچھی طرح جھنجھوڑ کر ختم کر کے ہی چھوڑا۔ اس کے بعد وہ پچھلے دروازے کی طرف گھوم پڑا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر دیوندر جیسے ہی اپنے چھوٹے سے بنگلے کے برآمدے سے نکل کر اپنی چھوٹی زرد کار میں بیٹھا، سڑک کے دوسرے کنارے کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی نے اپنی بتیاں روشن کیں اور آگے کی طرف روانہ ہوگئی، یہ شاید سگنل تھا کسی کے لیے۔ دیوندر نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ وہ اپنی کار اسٹارٹ کر کے سڑک پر لے آیا اور پھر اسے تیز رفتاری سے چھوڑ دیا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ بازاروں میں سناٹا ہوگیا تھا۔ صرف کہیں کہیں اکا دکا ہوٹل اور بعض دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی کار بازاروں اور مختلف علاقوں سے گزرتی ہوئی شہر کے باہر جام گڈھ تحصیل کی طرف جانے والی پختہ چوڑی سڑک پر نکل آئی۔ اس سے کافی دور پیچھے ایک دوسری لمبی سیاہ کار سڑک پر رینگ رہی تھی۔ اس میں شاید کوئی خاص قسم کا سائلنسر لگا تھا جس کی

وجہ سے انجن کی بھراہٹ قطعی نہ سنائی دیتی تھی۔اس کی روشنیاں بھی بجھی ہوئی تھیں اور شاید اسی وجہ سے آگے جانے والی کار کو اس کی خبر تک نہ تھی۔دونوں کاریں اسی طرح آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔یہاں تک کہ اگلی کار تقریباً ۱۰۸ میل چل کر ایک دوسرے تنگ راستے پر گھوم گئی۔تعاقب کرنے والی کار بھی پیچھے پیچھے تھی۔پھر اور آگے جا کر ڈھلوان سے گزر کر وہ کار چڑھائی پر ہزہائی نس جنجیرہ کے پرانے اور غیر آباد ڈاک بنگلے کی طرف گھومی اور رک گئی۔ڈاکٹر دیوندر نے ہیڈ لائٹس گل کرتے ہوئے انجن بند کر دیا اور کار سے باہر نکل آیا۔پھر وہ اس کار کا دروازہ بند کر کے ڈاک بنگلے کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اندر چلا گیا۔ڈاک بنگلے کے دروازے پر صرف ایک آدمی بیٹھا تھا،جس کے ہاتھ میں بھری ہوئی بندوق تھی۔دیوندر کو دیکھ کر وہ ایک طرف ہٹ گیا اور اس کے اندر چلے جانے کے بعد وہ پھر برآمدے میں ٹہلنے لگا۔وہ مدھم سی سیٹی بجا رہا تھا۔شاید اسے اس سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ اندر کیا ہو چکا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔لیکن دو منٹ بعد ہی اسے سامنے کچھ دور کی جھاڑیوں میں کچھ کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔

''کون ہے؟''اس نے آواز دی۔جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ ہاتھ میں ٹارچ لے کر سیڑھیوں سے اتر آیا اور ٹارچ کی روشنی میں اس جھاڑی کے نزدیک جا کر دیکھنے لگا۔اچانک پشت سے ایک بھرپور ہاتھ اس کے سر پر پڑا اور وہ تیورا کر وہیں گر پڑا۔اس کی ٹارچ اور بندوق چھین لی گئی اور ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے اسی جھاڑی میں پٹکتے ہوئے چار سائے منتشر ہو کر ڈاک بنگلے کی طرف بڑھنے لگے۔کسی نے بھی ان کی مزاحمت نہ کی۔لیکن جس وقت وہ ڈاک بنگلے کی سیڑھیوں پر قدم رکھ رہے تھے، اندر کچھ شور سا ہوا اور پستول چلنے کی آواز کے ساتھ ایک گولی سنسناتی ہوئی ان میں سے ایک سائے کے اوپر پڑی۔وہ 'اُغ' کی آواز کے ساتھ وہیں گر پڑا۔اس کے ساتھی فوراً سیڑھیوں سے لڑھک گئے اور بارجے کی آڑ لے کر انھوں نے بھی اندازے پر فائرنگ شروع کر دی۔ان میں سے ایک نے زخمی ہونے والے کو آواز دی۔

''اسرار۔''

''فکر نہ کیجیے، گولی میری ٹانگ میں لگی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔ رات کی تاریکی میں اس ویران مقام پر دونوں طرف سے تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں اور سارا ویران علاقہ ان کی آواز سے گونجنے لگا۔

''ڈیسوزا، تم ہاتھ اونچا کر کے نارچ کی لائٹ پھینکو، میں نشانہ مارتا ہوں۔'' خان کی آواز سنائی دی۔ جس کے جواب میں ایک ہاتھ بلند ہوا اور پھر نارچ کی تیز روشنی برآمدے میں دوڑنے لگی۔ اچانک بیک وقت دو فائرنگ کی آوازیں ہوئی اور نارچ ڈیسوزا کے ہاتھ سے دور جا گری۔ اس نے تلملا کر اپنا ہاتھ نیچے کھینچ لیا، لیکن اس کے ساتھ ہی برآمدے میں کسی کے گرنے کے ساتھ ساتھ چند دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ خان اور بالے اپنی جگہ سے جھپٹ کر دوڑے۔ ڈیسوزا بھی اپنا ہاتھ تھامے ان کے پیچھے تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں پستول تھا۔ اسرار کو وہ لوگ وہیں چھوڑ گئے۔

نارچ کی روشنی میں انھوں نے برآمدے میں دیکھا۔ دیوندر کی لاش خون میں لتھڑی ہوئی پڑی تھی۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی اور وہ دم توڑ چکا تھا۔ اسی وقت اندر سے ایک اور چیخ سنائی دی اور بالے فوراً دروازہ زور سے کھول کر اندر گھس گیا۔ یہ کمرہ تاریک تھا لیکن اس سے ملے ہوئے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے اندھیرے کمرے کو عبور کر کے جیسے ہی روشن کمرے میں دروازے پر پہنچا، اس نے دیکھا کہ پیگی ایک موٹے تازے آدمی کے شکنجے میں دبی چیخ رہی تھی۔ اس آدمی نے اسے زبردستی اپنی بانہوں میں لے رکھا تھا۔ بالے پشت سے قریب پہنچ گیا۔

''ذرا سنیے تو بھائی صاحب۔'' اس نے بڑی شرافت سے اس آدمی کی پیٹھ تھپک کر کہا۔

''ابے کیا رنگ میں بھنگ ڈالنے آ گیا، پھر سن لیں گے۔'' وہ یہ کہتا ہوا پلٹا ہی تھا کہ بالے کا مضبوط گھونسہ اس کی کنپٹی پر پڑا اور وہ چکرا کر وہیں پیگی کے قدموں میں گر پڑا۔

''ہیلو، مائی ڈارلنگ۔'' بالے پیگی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ پیگی صرف مسکرا کر رہ گئی۔ اتنی دیر میں پاس والے بڑے کمرے میں بھی روشنی ہوگئی۔ سپرنٹنڈنٹ خان اور ڈیسوزا اندر آ گئے تھے۔

بالے پیگی کو ساتھ لئے جیسے ہی اس کمرے میں واپس آیا، پیگی نے چھت سے لٹکی ہوئی ایک لاش کو دیکھ کر چیخ ماردی۔ خان، بالے اور ڈیسوزا بھی اس سفید پوش ڈاکٹر کی لاش کو کھڑے دیکھ رہے تھے۔ پھر خان نے پستول کی گولی سے اس کی رسی کاٹ دی اور وہ دھم سے زمین پر آ رہی۔ انھوں نے دیکھا اس کے گلے میں ایک کاغذ لٹک رہا تھا۔ خان اس کے گلے سے نکال کر پڑھنے لگا۔ اس میں لکھا تھا:

پیارے بیٹے سپرنٹنڈنٹ خان!

تم نے اپنی دانست میں مجھے ختم کر دیا تھا، لیکن میرے لیے موت نہیں ہے۔ یہ الوکا دم ڈاکٹر بھی خود کو بہت بڑا سائنس داں سمجھ کر مجھے اپنے قابو میں کر بیٹھا تھا، لیکن اسے تو میں نے اس کے انجام کو پہنچا دیا۔ حالانکہ میرے منتشر اعضا کو سلیقے سے جوڑ کر مجھے دوبارہ زندگی اسی نے دی تھی، لیکن میں اسے ان غریب اور بے گناہ انسانوں کی بربادی کے لیے معاف نہیں کر سکا، جن پر اس نے اپنی گھٹیا تھیوری کا تجربہ کیا تھا۔ ایسے ۲۵ بے گناہ آدمی نیچے تہ خانے میں بند ہیں جو اتفاق سے میرے بروقت آجانے پر اس کے ظلم سے محفوظ رہ گئے۔ ہاں، مجھ سے بھی ایک بھول ہوگئی ہے۔ ارمیلا کے بے پناہ حسن کو دیکھ کر میں برداشت نہ کر سکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ میری نہیں ہو سکتی۔ میں نے اسے ٹھیک اس وقت پر ختم کر دیا، جب وہ ایک مرد سے محبت اور وفاداری کا وعدہ کر رہی تھی۔ وہ بے چارہ کیا جانے کہ عورت کس قدر پرفریب ہوتی ہے، اچھا خیر، لو میں اب جا رہا ہوں۔ دنیا بہت وسیع ہے اور مجھے ابھی بہت سے ملکوں کی سیر کرنی ہے۔ اگر میرے تعاقب کی حماقت کی تو مجھے پھر مجرمانہ زندگی کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اتنے بے وقوف نہ ثابت ہو گے۔

اچھا، اب رخصت۔

فقط تمہارا پرانا واقف کار سلازار

ڈیسوزا نے دوسرے ہاتھ سے سفید پوش ڈاکٹر کے نصف چہرے پر بندھا ہوا سفید کپڑا نوچ دیا، مگر وہ سب حیرت سے چونک پڑے۔ وہ ڈاکٹر نارمن نہ تھا۔

''ڈاکٹر پانڈے؟'' وہ سب حیرت سے بولے۔

''ہاں۔'' خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اور ڈاکٹر نارمن کہاں گیا؟'' بالے نے سوال کیا۔

''وہ بے چارہ ان ہی پاگلوں میں شامل ہے۔ پاگل خانے میں ملے گا۔''

''یہ کیسے؟'' پیگی نے سوال کیا۔ ''میں تو اسی کو ڈاکٹر نارمن سمجھتی تھی۔ یہ کسی کو اپنا چہرہ نہیں دکھاتا تھا۔''

''یہ دراصل کام میں ڈاکٹر نارمن کا اسسٹنٹ تھا، لیکن اس کے آپریشن کا طریقہ اور اس کی تھیوری پوری طرح سیکھ لینے کے بعد اس نے ایک دن دھوکے سے اسے بے ہوش کر کے اسی کا بھیجا ایک بندر کے بھیجے سے بدل دیا۔

''لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟''

''پاگلوں کو دیکھنے کے بعد اور میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے تمام ممبر ڈاکٹروں پر نظر رکھنے کے بعد۔'' خان نے بتایا۔

''چلیے خیر، نارمن نے جو گڑھا دوسروں کے لیے کھودا اس میں خود ہی گر پڑا اور یہ بیٹے سلازار کے ہاتھوں بڑے گھر پہنچ گئے۔'' بالے نے اطمینان کی لمبی سانس لے کر کہا۔

''ارے، یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہوا؟'' پیگی ڈیسوزا کے ہاتھ سے خون ٹپکتا دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

''کچھ نہیں، صرف گولی سے چھل گیا ہے۔'' ڈیسوزا نے جواب دیا۔

Akram Allahabadi

بالے کو پیگی کی ڈیسوزا سے ہمدردی اچھی نہ معلوم ہوئی، اس لیے وہ برا سا منہ بنا کر ان دونوں کے بیچ میں آ گیا۔

''پیگی ڈارلنگ۔'' وہ بڑے رومانی لہجے میں اس سے بولا۔

''یوشٹ اپ۔'' پیگی بگڑ گئی۔

''ارے، کیا تمہارا بھی بھیجا کسی بندریا سے بدل دیا گیا؟'' بالے نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بالے، یہ میری بیوی ہے، مس ہیلن ڈیسوزا۔'' ڈیسوزا نے پیگی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بالے سے اس کا باقاعدہ تعارف کرایا۔

''بیوی!'' بالے اچھل پڑا۔ ''تو پھر پیگی؟'' اس نے حیرت سے سوال کیا۔

''وہ صرف سراغ رسانی کے لیے۔ انھیں بھی ایسے کاموں میں ہاتھ بٹانے کا شوق ہے۔ ان کی ہی مدد سے ہمیں روح افزا کا پتا چلا۔ ان کی ہی مدد سے تم دراصل نہر والے گھر تک پہنچے اور پھر وہاں سے بچ نکلے۔'' سپرنٹنڈنٹ خان نے تفصیل اسے سمجھا دی۔

''او مائی گاڈ! یہ تو بھابی نکلی۔ اب میں کہاں امیدواری کروں؟''

یہ کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر وہیں بیٹھ گیا ہوتا، لیکن خان نے کان تھام لیا تو چپ چاپ ساتھ چلا آیا۔ اسرار زخمی حالت میں بھی گھسٹ گھسٹ کر کار تک پہنچ چکا تھا۔ خان نے فوراً فرسٹ ایڈ باکس سے پٹی نکال کر اس کے اور ڈیسوزا کے زخموں پر باندھ دی اور ان کی کار آدھی رات کی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی پھر شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ رہائی پانے والوں اور گرفتار کیے جانے والوں کا قافلہ ان کے پیچھے تھا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi